www.urducouncil.nic.in

ستمبر 2021، قیمت :- ₹10

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

- رسالے میں بچوں کے ادیبوں کے تعارف اور تصویر کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کے ادیبوں کی ڈائرکٹری ترتیب دینے والوں کو مدد مل سکے۔
- معلومات عامہ، صحت، زبان شناسی، تاریخ، تہذیب، سائنس و ٹیکنالوجی، جغرافیہ، آثار قدیمہ اور اہم شخصیات سے متعلق تخلیقات ترجیحی طور پر شائع کی جائیں گی۔
- 'مستقبل کے قلمکار' عنوان کے تحت بچوں کی تحریروں کو خاص طور پر شائع کیا جائے گا۔
- بچوں کے ادیبوں کے انٹرویوز اور رسائل کے مدیران پر ایک سیریز شروع کی جائے گی۔

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

بچوں کی دنیا

جلد: 9 شمارہ: 09 ستمبر 2021

مدیر: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

مدیر منتظم: شاہنواز محمد خرم

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارتِ تعلیم۔ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون: 49539000
شعبہ ادارت: 49539009-11
ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ/100 روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی - 110066
فون: 26109746
ای میل: sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 22-7-110، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002
فون: 040-24415194

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05
یوم اساتذہ		
اساتذہ: تاریک راہوں کے چراغ	محمد اکرام	07
میرے استاد سید واجد علی	صبا منیر	11
استاد کو سلام	ندیم احمد انصاری	13
یوم اساتذہ	شکیب تائب ابن شمشاد راضی	13
مضامین		
عالمی یوم اوزون	انصار احمد معروفی	14
رنگ برنگی چھتری	عادل حیات	17
بچوں کے بڑے ادیب		
پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی اور بچوں کا ادب	ابرار اجراوی	20
نظمیں		
تاج محل	حلیم صبا نویدی	23
برکھا رانی	انس مسرور انصاری	24
میرے پیارے ابو جان	رفیق گلاب	25
موسم برسات	مجیب شہزر	26
گھڑی کا گیت	شاہد جمیل	27
بچہ مزدور	عبدالرزاق دل کولھاپوری	27
پیاری گڑیا	وارث جمال	28
علم کی دنیا	کلیم جاذل	28
کہانیاں		
نصیحت	اقبال برکی	29
چلو جنگل کی سیر کریں	پرویز شہریار	31
پہلی درس گاہ	منظور وقار	35
آزاد مٹھو	انور مرزا	38
ایک سچی کہانی	مبین نذیر	43
گولو کی سائیکل نوازی	سید اسد تابش	46
خوبصورتی	ابوطالب انصاری	49
ترجمہ		
طرز حیات کے بیان میں	ولیم ہزلٹ/عظیم اقبال	51
سائنس نامہ		
چاند (Moon)		54
بچوں کا کتب خانہ		
پیاری پیاری نظمیں	احتشام الحق	56
زبان شناسی		
مظلوم الفاظ/مماثل الفاظ	طالب الہاشمی	58
جنرل نالج		
معلومات عامہ		59
صحت اطفال		
کالی کھانسی	محمد عثمان خاں	60
ننھے فنکار		
پینٹنگ		62

بچو! کیا آپ کو پتہ ہے کہ اس کائنات میں موجود بے شمار مخلوقات کے درمیان سب سے ممتاز اور اعلیٰ مقام 'انسان' کو کیوں دیا گیا؟ دراصل انسان کے اندر قدرت نے علم حاصل کرنے کی صلاحیت رکھ دی ہے جس کے ذریعے وہ نہ صرف اپنی شخصیت کو سنوار سکتا ہے بلکہ سماج کے دوسرے افراد کو بھی روشنی دکھا سکتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جن افراد و اقوام کے پاس علم کی روشنی ہوتی ہے، ترقی ان کے قدم چومتی ہے اور جو قومیں علم کی دولت سے خالی ہوتی ہیں، زبوں حالی و پسماندگی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ جہاں تک حصول علم کی بات ہے تو اس سلسلے میں بنیادی کردار اساتذہ کا ہوتا ہے۔ وہ بچوں کی نفسیات کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی صلاحیت کے مطابق انھیں پڑھنا لکھنا سکھاتے ہیں اور اس قابل بناتے ہیں کہ وہ آگے چل کر ملک و سماج کی خدمت کا فریضہ انجام دیں۔ اساتذہ کی اہمیت کے پیش نظر ہی ہمارے ملک میں ہر سال 5 ستمبر کو 'یوم اساتذہ' منایا جاتا ہے۔

'یوم اساتذہ' منانے کا رواج اس وقت شروع ہوا جب ہمارے ملک کے ایک عظیم استاد سروپلی رادھا کرشنن کے شاگردوں نے ان کے یوم ولادت پر ان کے لیے بحیثیت عظیم استاد ایک تقریب کا انعقاد کیا۔ یہ 1965 کی بات ہے۔ رادھا کرشنن اچھے استاد ہونے کے ساتھ ایک عظیم اسکالر، ماہر تعلیم، فلاسفر، ڈپلومیٹ اور صدر جمہوریہ تھے۔ اس تقریب میں رادھا کرشنن نے خطاب کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ اس دن کو 'یوم اساتذہ' کے طور پر منایا جانا چاہئے۔ اس کے بعد اس دن کو 'یوم اساتذہ' کے طور پر ملک بھر میں منایا جانے لگا۔ 'یوم اساتذہ' کو منانے کے پیچھے کئی اہم وجوہات اور مقاصد نظر آتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ طلبا کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جائے کہ اساتذہ ان کے لیے بہت اہم ہیں۔ وہی ان کے مستقبل کو بناتے اور سنوارتے ہیں، انھیں ایسی روشنی دیتے ہیں جس کے سہارے وہ اپنی منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔ اساتذہ کی عظمت سے واقف ہو کر نہ صرف طلبا کے دل میں ان کا احترام پیدا ہوتا ہے بلکہ وہ ان سے زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں اور ان کی ہر بات پر توجہ دیتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ملک اور معاشرے کے لیے اساتذہ کی اہمیت کے پیش نظر بہت سے طلبا اس طرف مائل ہو سکتے ہیں کہ وہ بھی مستقبل میں اچھے استاد بن کر آنے والی نسلوں کو پروان چڑھائیں اور انھیں ملک و سماج کے لیے تیار کریں۔

'یوم اساتذہ' کو منانے کا ایک مقصد اساتذہ کی حوصلہ افزائی بھی ہے۔ اسی کے ساتھ یہ دن اساتذہ کو اس بات کا بھی احساس دلاتا ہے کہ وہ اپنے فرض کے تئیں نہایت مخلص، ایماندار اور دیانت دار رہیں۔ ان کے اوپر آنے والی پوری ایک نسل کی ترقی کا دارومدار ہے۔ وہ اپنے فرض کو جس قدر محنت اور اخلاص سے نبھائیں گے، آئندہ نسل اتنی ہی بہترین تیار ہوگی، لیکن ان کی ذرا سی بھی غفلت یا تساہلی پوری ایک نسل کو برباد کر سکتی ہے۔ یوم اساتذہ کے موقع پر ہمیں رادھا کرشنن سمیت ان تمام اساتذہ سے سیکھنے کی ضرورت ہے جنھوں نے تدریسی سطح پر بڑے کارنامے انجام دیے اور آنے والی نسلوں کے لیے بہترین نقوش چھوڑے۔

یوم اساتذہ کی اہمیت و عظمت کے پیش نظر اس شمارے میں اس حوالے سے کئی مضامین شامل اشاعت کیے گئے ہیں تاکہ بچے انھیں پڑھ کر ان سے استفادہ کریں، اساتذہ کی عظمت و اہمیت سے واقف ہوں اور آگے چل کر وہ خود بہترین استاد بننے کی جدوجہد کریں۔

آپ کا

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

ڈاک خانہ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان سے شائع ہونے والے رسائل میں سب سے زیادہ شائع ہونے والا رسالہ بچوں کی دنیا ہے جو بچوں کے ساتھ بڑوں میں بھی کافی مقبول ہے۔ بچوں کو اس رسالے کا بے چینی کے ساتھ انتظار رہتا ہے۔ مہاراشٹر میں اس کی مانگ بڑی ہے۔

تازہ شمارے کے مضامین میں سب سے پہلا مضمون رامانجن سائنسٹ محمد خلیل کا ہے۔ انھوں نے بچوں کی سطح پر آکر مضمون لکھا۔ دوسرا مضمون مطالعے کے فائدے ہیں۔ مطالعہ روح کی غذا ہے اور کتاب کو چینی گلستان کہا گیا، علم حاصل کرنے کی کوئی حد نہیں۔ تیسرا مضمون امانت اللہ کا 'عید قرباں: فلسفہ اور تاریخی پس منظر' مضمون نگار نے بالکل سادہ اور سلیس انداز میں بچوں کو اس کا تاریخی پس منظر بتایا ہے بلکہ بڑوں کے لیے بھی یہ معلوماتی ہے۔ اس کووڈ کے دور میں آن لائن تعلیم کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ عدیلہ شیخ کا مضمون 'آن لائن تعلیم اور اس کے اثرات' بہت خوب ہے۔

بچوں کے بڑے ادیب میں گل آفریں کا مضمون 'حیدر بیابانی اور ان کی نظمیں' پر خوب لکھا۔ حیدر بیابانی مدت مدید سے لکھ رہے ہیں اور خوب لکھتے ہیں۔ نظموں میں شعر نصیحت (شکیل سہسرامی)، چندا ماما (پروانہ برہانپوری)، ریل بچھڑے ہوؤں کو ملائے (محمد وکیل)، کمپیوٹر (فاطمہ پروین)، نیند (شمیم اختر)، کھٹی املی میٹھے آم (عبدالناصر)، چلو اسکول چلتے ہیں (شکیل حنیف) اور محمد عبدالوہاب ابن مولانا انصار احمد معروفی کی نظم 'عالمی یوم انسانی خلائی پرواز' ہے جو بچوں کے معیار پر پوری اترتی ہے۔ ڈراما 'ننھی سی لڑکی' (اظہر افسر) کا ہے۔ اظہر افسر کے ڈرامے ایک دور میں بہت شائع ہوتے تھے۔

اس شمارے میں آٹھ کہانیاں شائع ہوئی ہیں۔ پہلی کہانی میں محمد حفیظ الدین کی مولانا روم کی کہانیاں ہیں جس میں مولانا کی حکایتوں، نحوی اور ملاح، ایک بہرا بیمار کے پاس، بے سمجھی کا گھوڑا شامل ہے۔ دوسری کہانی روی راج کی کہانی (سلیم خاں)، اس کے بعد امتحان (انیس رشید خاں)، تتلی رانی (سید عبیداللہ ہاشمی)، سیاہ سفید (ایڈوکیٹ حبیب ریتھ پوری)، ہاتھی کی تول (عبدالقیوم ماسٹر)، معصوم شگوفی (ارم نعیم) شامل ہیں۔ ان کہانیوں میں بچوں کے لیے سبق آموز مواد ہے۔ اس سے بچے کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ ہنر ہاٹ (شیبا کوثر) کی کہانی ہے۔

بچوں کا کتب خانہ میں 'پکنک' شاہ تاج خاں کی کتاب پر نثار انجم کا تبصرہ ہے۔ یہ ایک اچھا سلسلہ ہے۔ بچوں کے ادب میں نئی کتابوں پر تبصرہ ہونا چاہیے۔

سائنس نامہ میں ہومی جہانگیر بھابھا پر مضمون احرار حسین کا ہے۔ زبان شناسی کے تحت اردو میں مستعمل عربی اسماء کی جمع سید بدرالحسن کی کتاب سے ماخوذ ہے، معلومات عامہ اور صحت کے تحت دوران بخار غذا (رفیع الدین ناصر) کا ہے۔ انھوں نے اچھی رہنمائی کی ہے۔ آخر میں چمن چمن کے پھول کے تحت گیارہ خوبصورت اشعار ہیں جو شعرستان سے اخذ کیے گئے ہیں۔

60 صفحات کے اس رنگین رسالے میں تقریباً 30 نگارشات ہیں۔ اس رسالے کی قیمت صرف 10 روپے ہے جو نہایت ہی مناسب ہے۔

ڈاکٹر م ق سلیم، صدر شعبۂ اردو، شاداں کالج، تلنگانہ

اساتذہ

محبت، تربیت اور تعلیم کا جلی عنوان

معلم انسانی معاشرے کا سب سے اعلیٰ و برتر فرد ہوتا ہے، جس کے کندھوں پر فی الحقیقت قوموں کی تعمیر اور نسلوں کی تربیت کی ذمے داری ہوتی ہے۔ استاذ ایک مینارۂ نور ہے، جس سے اقوام و ملل روشنی حاصل کرتی ہیں۔

مذہبی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے، تو تقریباً تمام مذاہبِ عالم نے علم اور معلم کو غیر معمولی اہمیت دی ہے اور انھیں نشانِ فخر و عظمت قرار دیا ہے۔

تاریخ کے مختلف ادوار میں پائے جانے والے مفکرین، علما، ادبا و دانشوران اور علم و نظر کے ائمہ و سر برآوردگان نے معلمین اور اساتذہ کے حوالے سے بڑی قیمتی اور معنی خیز باتیں کہی ہیں، جن سے معاشرے کے اس ممتاز طبقے کی عظمت و اہمیت آشکار ہوتی ہے اور خود معاشرے کے تئیں معلم کی ذمے داریوں کا بھی علم ہوتا ہے۔ ہمیں ان کے اقوال و فرمودات سے اس لیے واقفیت حاصل کرنی چاہیے کہ ہم اپنے اساتذہ کے مقام و منزلت کو پہچان سکیں اور ان کی قدر کر سکیں، معاشرے میں استاذ کی حیثیت کا ادراک کر سکیں اور اسی کے مطابق ان کے ساتھ برتاؤ کرنے کی کوشش کریں۔ اسی مقصد سے معلم کے حوالے سے ذیل میں چند عالمی مفکرین کے اقوال پیش ہیں:

حضرت حسن بصری: اگر ایک استاذ اپنے شاگردوں کے مابین انصاف نہیں کرتا تو اس کا شمار ظالموں میں ہوگا۔

سپنگر: میں نے اپنے اساتذہ سے بہت سیکھا، اپنے رفقا سے بہت زیادہ سیکھا اور اپنے شاگردوں سے، بہت بہت زیادہ سیکھا۔

لیونارڈو ڈاونچی: شاگرد کے اندر اگر اپنے استاذ پر سبقت لے جانے کی صلاحیت نہ پیدا ہو، تو وہ ایک معمولی شاگرد ہی رہ جاتا ہے۔

خلیل جبران: کسی بھی ملک کی تعمیر تین لوگوں کے کندھوں پر ہوتی ہے: دہقاں جو روزی کی فراہمی کا ذریعہ بنتا ہے، سپاہی جو ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرتا ہے اور معلم جو ملک کے شہریوں کی تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دیتا ہے۔

احمد امین: معلم ایک زاہد کی طرح ہوتا ہے، جو اپنے آپ کو علم کی خدمت کے لیے وقف کر دیتا ہے جیسے کہ ایک زاہد اپنے آپ کو عبادتِ خداوندی کے لیے وقف کر دیتا ہے۔

احمد شوقی: استاذ کے احترام میں کھڑے ہو جاؤ اور جی جان سے اس کی تعظیم کرو، کہ معلمی کارِ پیغمبری ہے۔

ولیم پرنس: استاذ کا احترام اسے دیا جانے والا سب سے قیمتی انعام ہے۔

کامل درویش: روئے زمین پر چمکنے والی ہر تہذیب و ثقافت کے پس پردہ معلموں کی ضوفشانی کارفرما ہوتی ہے۔

نجیب محفوظ: معلمی سب سے عظیم پیشہ ہے کہ دنیا کے تمام پیشے اسی سے جنم لیتے ہیں۔

بل گیٹس: ٹکنالوجی تو محض بچوں کو حصولِ علم کی ترغیب دینے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے، اصل اہمیت تو معلم کی ہے۔

—نایاب حسن

اساتذہ
تاریک راہوں کے چراغ

محمد اکرام

صحت مند اور مہذب معاشرے کی تشکیل میں سماج کے جن افراد کا خونِ جگر شامل ہوتا ہے انھیں باشعور، باہنر اور تعلیم یافتہ بنانے میں اساتذہ کا کردار سب سے اہم ہوتا ہے کیونکہ استاذ ایک ایسا چراغ ہے جو تاریک راہوں میں علم کی روشنی پھیلاتا ہے، وہ ایک ایسے پھول کی مانند ہے جس کی خوشبو سے حیات وکائنات مہکتی رہتی ہے۔ اساتذہ ہی ہیں جو حروف تہجی (الف تا ے) سے لے کر ڈاکٹر، انجینئر، پروفیسر، حاکم و حکمراں وغیرہ بنانے میں اپنی توانائی، محنت اور قیمتی وقت صرف کرتے ہیں۔ یہ اساتذہ صرف بچوں کو تعلیم نہیں دیتے بلکہ بہتر تربیت کے ساتھ ساتھ ان کے خوابوں کو نئی زمین اور نیا آسمان عطا کرتے ہیں۔ ان کے ذہن میں مستقبل کا بہت ہی خوبصورت خاکہ تیار کرتے ہیں۔ مستقبل کو ایک نئی روشنی اور ایک ایسی راہ دکھاتے ہیں جن سے بچے صرف منزل مقصود تک نہیں پہنچتے بلکہ کامرانی کی ایک ایسی تاریخ رقم کرتے ہیں جس پر پورا معاشرہ رشک کرتا ہے۔

استاذ بلاشبہ اس روئے زمین پر بلند مقام اور عظیم حیثیت کا حامل ہے۔ دنیا کی تمام قوموں نے استاذ کی عظمت اور بلند مرتبت کو سمجھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان اساتذہ کی عظمتوں کے اعتراف کے طور پر دنیا کے بیشتر ملکوں میں عالمی سطح پر 5 اکتوبر کو 'یوم اساتذہ' (Teachers Day) کا تعین کیا گیا ہے لیکن ہمارے ملک ہندوستان میں سروے پلی رادھا کرشنن کی یاد میں 5 ستمبر کو 'یوم اساتذہ' منایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن کی پیدائش 5 ستمبر 1888 کو ترُتانی (Tiruttani) ضلع چتّور آندھرا پردیش میں ہوئی۔ بھارت رتن ڈاکٹر رادھا کرشنن کی شناخت ایک دانشور، فلسفی، مفکر اور معلم کی ہے۔ آپ چالیس سال تک مدراس، میسور، کلکتہ، بنارس، آکسفورڈ، شکاگو جیسی

یونیورسٹیوں میں تعلیمی اور تدریسی سرگرمیوں سے جڑے رہے اور اپنے افکار و اقدار سے ملک کے نوجوانوں کو علم کی دولت سے مالا مال کرتے رہے۔ آپ نے انڈین فلاسفی پر بہت وقیع کام کیا ہے اور آپ نے ہندوستانی فلسفے کو مغربی دنیا میں بھی متعارف کرایا۔ معلم کے ساتھ ساتھ آپ ایک سیاست داں بھی تھے۔ 1952 میں آپ ہندوستان کے پہلے نائب صدر کے منصب پر فائز ہوئے اور 13 مئی 1962 سے لے کر 13 مئی 1967 تک ہندوستان کے دوسرے صدر کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیے۔ آپ کی وفات 17 اپریل 1975 کو مدراس (تمل ناڈو) میں ہوئی۔

تعلیم اور تعلم کے میدان میں ڈاکٹر رادھا کرشنن کی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ ان کی تعلیمی اور تدریسی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے 5 ستمبر کو 'یوم اساتذہ' کے طور پر ہندوستان کے تمام اسکولوں میں یہ دن منایا جاتا ہے کیونکہ استاد صرف معلم نہیں ہوتا بلکہ ملک اور قوم کا معمار بھی ہوتا ہے اور اس معمار کو اپنی محبتوں میں شامل رکھنا اور ان کی خدمات کا اعتراف کرنا سبھی کا فرض ہے۔

تمام ممالک اور مذاہب میں اساتذہ کو بے حد عزت و احترام اور اعتبار و وقار کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مذہب اسلام میں بھی استاذ کو بہت عزت اور اہمیت دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نبی اکرم کی شان بہ حیثیت معلم بیان کی ہے اور خود رسول اللہؐ نے اِنّما بعثت مُعَلِّما (مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے) فرما کر اساتذہ کو رہتی دنیا تک بلند درجے پر فائز کر دیا ہے۔ رسول اللہؐ نے استاذ کو ایک روحانی باپ کی حیثیت بھی دی ہے کیونکہ بچوں کے حق میں استاذ کی شخصیت ایک باپ کی جیسی ہوتی ہے بلکہ کبھی کبھی تو باپ سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے۔

اساتذہ صرف بچوں کو تعلیم نہیں دیتے بلکہ بہتر تربیت کے ساتھ ساتھ ان کے خوابوں کو نئی زمین اور نیا آسمان عطا کرتے ہیں۔

استاذ کی عظمتوں کے بہت سے حوالے ہیں اور اس تعلق سے تاریخ کی کتابوں میں بہت سے واقعات بھی ہیں۔ ایک بہت مشہور واقعہ ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید کے دو بیٹے امام نسائی کے پاس زیر تعلیم تھے۔ ایک بار استاذ کے جانے کا وقت ہوا تو دونوں شاگرد ان کی جوتیاں ٹھیک کرنے کے لیے دوڑ پڑے۔ دونوں بھائیوں میں اس بات کو لے کر تکرار ہوگئی کہ پہلے وہ جوتیاں درست کرے۔ استاذ نے راستہ بتایا کہ دونوں ایک ایک جوتے درست کریں۔ اس طرح دونوں کو استاد کی خدمت کا موقع مل گیا۔

مشہور کالم نگار اور مصنف اشفاق احمد نے اپنی کتاب 'زاویہ' میں ایک واقعہ نقل کیا کہ ایک استاذ کا قیام روم کے دوران ٹریفک چالان ہوا۔ استاد کو 12 آنے کی سزا ہوئی جسے وہ وقت پر جمع نہ کروا سکے۔ لہٰذا انھیں عدالت میں حاضر ہونا پڑا۔ سوالوں کے دوران جج نے جب یہ پوچھا کہ آپ کرتے کیا ہیں؟ تو شرمندگی سے سر جھکائے انھوں نے جواب دیا کہ میں ٹیچر ہوں۔ یہ سننا تھا کہ جج نے اپنی کرسی سے کھڑے ہو کر بلند آواز میں کہا کہ Teacher in the Court (عدالت میں استاد ہے)۔ یہ سنتے ہی سب احتراماً اپنی کرسیوں سے کھڑے ہوگئے۔

استاذ کی عزت اور اہمیت کے تعلق سے علما اور دانشوروں کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں۔ سبھوں نے استاذ کو اپنی اپنی نظر سے جانچا اور پرکھا ہے۔ ان کی عزت و تکریم میں بڑی قیمتی اور معنی خیز باتیں بھی کہی ہیں۔

پیارے بچو! حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کا نام تو آپ

نے سنا ہی ہوگا۔ حضرت علی فرماتے ہیں: میں اس شخص کا غلام ہوں جو مجھے ایک حرف بھی سکھا دے، اگر وہ چاہے تو مجھے بیچ دے اور چاہے تو آزاد کردے۔

مشہور مفکر جون لاک کے نزدیک معلّمی کا پیشہ حکمرانی سے بھی زیادہ مشقت آمیز ہے۔

اسی طرح سکندر مقدونی کا کہنا ہے کہ میں اپنے والد کا احسان مند ہوں کہ وہ اس دنیا میں میری آمد کا ذریعہ بنے اور میں اپنے استاذ کا ممنون ہوں کہ انھوں نے مجھے شعور کی دنیا میں ایک نئی زندگی دی۔

سکندر اعظم سے کسی نے اپنے استاذ کے بے حد احترام کی وجہ پوچھی تو انھوں نے جواباً کہا کہ میرا باپ مجھے آسمان سے زمین پر لایا جب کہ میرے استاذ ارسطو مجھے زمین سے آسمان پر لے گئے۔ میرا باپ میری ایسی زندگی کا باعث بنا جو فانی ہے مگر میرے استاذ حیاتِ جاوداں کا سبب ہیں۔ میرا باپ میرے جسم کی پرورش کرتا تھا اور استاذ ارسطو میری روح کی دیکھ بھال کرتے تھے۔

سکندر اعظم سے کسی نے اپنے استاذ کے بے حد احترام کی وجہ پوچھی تو انھوں نے جواباً کہا کہ میرا باپ مجھے آسمان سے زمین پر لایا جب کہ میرے استاذ ارسطو مجھے زمین سے آسمان پر لے گئے۔

پیارے بچو! اساتذہ صرف بچے کی روح کی دیکھ بھال نہیں کرتے بلکہ وہ شفقت و محبت کا وہ عنوان ہوتے ہیں کہ ہر موڑ پر ان کی شفقتیں بچوں کی کلفتیں اور اذیتیں ختم کردیتی ہیں اسی لیے جن بچوں میں جذبہ اور جنون ہوتا ہے اور جو محنتی اور ذہین ہوتے ہیں اساتذہ بھی ان کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، یہاں تک کہ جو بچے مالی حیثیت سے کمزور ہوتے ہیں اور اپنی پڑھائی کا سلسلہ جاری نہیں رکھ سکتے تو ایسے بچوں کی کفالت بھی بسا اوقات ان کے استاذ کرتے ہیں۔

امام شافعی جو بعد میں ایک بڑے عالم، فقیہ و محدث بنے، بچپن میں جب حصولِ علم کے لیے مدینہ پہنچے تو علم کا شوق تو بہت تھا مگر ان کی راہ میں غربت حائل تھی۔ جب امام مالک کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے اپنے اس ذہین شاگرد کو خود اپنا مہمان بنایا اور جب تک مدینہ میں رہے، ان کی کفالت کرتے رہے اور پھر جب امام شافعی نے مزید کسبِ علم کے لیے کوفہ کا سفر کرنا چاہا تو استاذ نے نہ صرف سواری کا نظم کیا بلکہ سفر کے اخراجات بھی برداشت کیے۔

اسی طرح امام ابو یوسف جو بہت بڑے فقیہ تھے، ان کے والد غریب تھے اور دھوبی کا کام کرتے تھے۔ بڑی مشکل سے گزر بسر ہوتی تھی، اس وجہ سے ان کے والدین کو امام ابو یوسف کا پڑھنا قطعی پسند نہیں تھا، وہ چاہتے تھے کہ آپ کام کاج کریں اور گھر کے اخراجات میں ہاتھ بٹائیں۔ امام ابوحنیفہؒ ان کی ذہانت اور حصولِ علم کے شوق سے اتنے متاثر ہوئے کہ انھوں نے آپ کے سارے تعلیمی اخراجات اور مصارف برداشت کیے۔

پیارے بچو! پرانے زمانے کے اساتذہ بچوں کی پیشانی پر محبت اور شفقت کی وہ عبارت لکھ دیتے تھے کہ زندگی کی آخری سانس تک یہ عبارتیں ان کے وجود میں روشن رہتی تھیں مگر آج کمپیوٹر اور ٹیکنالوجی کے دور میں استاذ کی محبت اور طلبا کی اطاعت میں بھی بہت تبدیلیاں آچکی ہیں۔ طالب علموں کا انداز بھی بدل چکا ہے اور اساتذہ کا طرزِ فکر بھی۔ پہلے اساتذہ اپنا سارا وقت اور اپنی ساری توانائی بچوں پر صرف کرتے تھے مگر اب سارا منظر بدل چکا ہے۔ وقت اور توانائی کے مرکز بھی

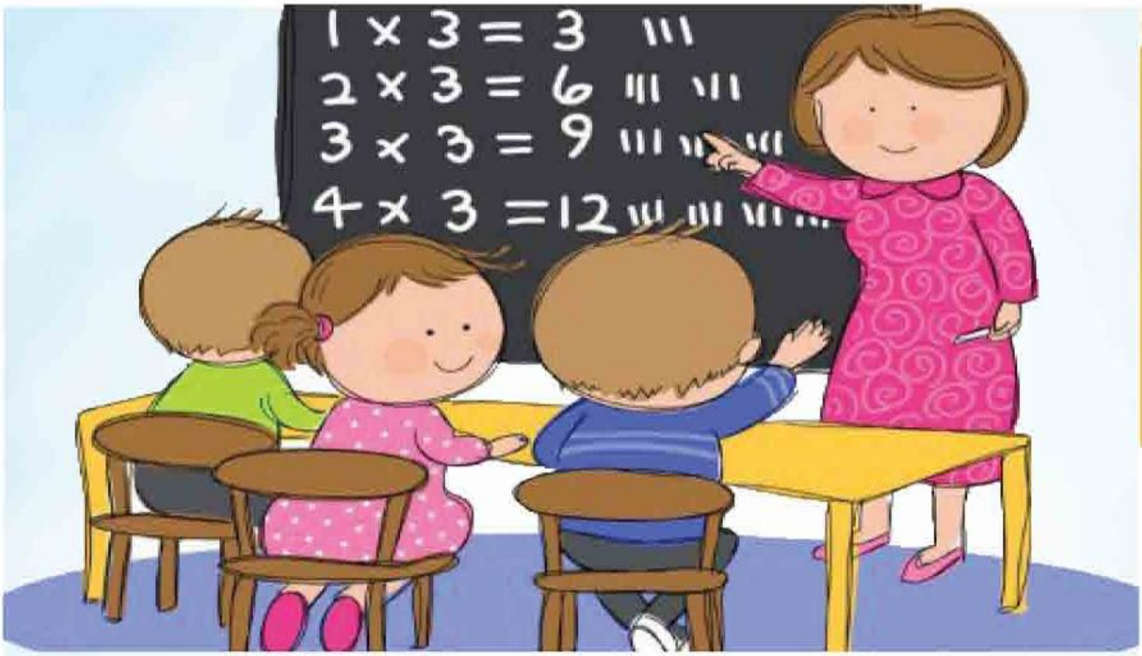

تبدیل ہوچکے ہیں اور طلبا میں اساتذہ کے تئیں وہ عقیدت اور محبت بھی نہیں رہ گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم تو عام ہوگیا ہے مگر تربیت اور تہذیب میں کمی ہر سطح پر محسوس کی جارہی ہے۔ اس طرح کی تبدیلیاں بچوں اور اساتذہ دونوں کے لیے نقصان دہ ہیں۔ ایسے میں اساتذہ کی ذمے داری بنتی ہے کہ وہ بچوں کی صحیح تربیت اور راہنمائی کریں۔ تعلیم کے ساتھ غلط راستے سے بچنے اور صحیح راستے پر چلنے کی تلقین کریں، اساتذہ کوئی ایسا کام نہ کریں جو بچوں کے لیے مخربِ اخلاق ہوں کیونکہ بچوں کا شعور پختہ اور بالیدہ نہیں ہوتا ہے، انھیں تربیت اور راہنمائی کی ضرورت بہرحال ہوتی ہے۔

اسی طرح شاگردوں کی ذمے داری بنتی ہے کہ جب وہ استاذ سے درس حاصل کررہے ہوں تو ان کے سامنے بہت ادب واحترام سے بیٹھیں، پورا دھیان صرف استاذ کی باتوں پر ہو اور بچے استاذ کی ڈانٹ اور پھٹکار کو اپنے حق میں مثبت انداز میں لیں کیونکہ استاذ اپنے شاگرد کے حق میں کبھی برا نہیں سوچتا۔ اگر پڑھ لکھ کر آپ اعلیٰ منصب پر فائز ہوں گے تو اس سے آپ کے اساتذہ کا سر بھی فخر سے بلند ہوگا۔

پیارے بچو! استاذ کے سامنے زیادہ بولنے کے بجائے ان کی باتوں کو غور سے سننا چاہیے کیونکہ استاذ کے سامنے زیادہ بولنا بے ادبی کہلاتی ہے۔ کلاس کے دوران اگر کوئی بات آپ کی سمجھ میں نہ آئے تو اپنے استاذ سے دوبارہ وہ باتیں پوچھنے میں شرم نہ محسوس کریں، آپ کے استاذ آپ کے اس عمل سے بہت خوش ہوں گے کیونکہ ایک بہتر استاذ یہ چاہتا ہے کہ اس کے شاگرد مکمل طور پر مطمئن اور سیراب ہوکر جائیں۔ وہ طالب علموں کی علمی پیاس بجھا کر اندرونی خوشی اور فرحت محسوس کرتے ہیں کیونکہ استاد محبت، شفقت، عطوفت اور تربیت کا بیکراں سمندر ہوتا ہے۔

■

Mohd Ikram
89/6A, Street No.:1
Ghaffar Manzil, Jamia Nagar
New Delhi - 110025
Mob.: 9873818237

صبا منیر

میرے استاد سید واجد علی

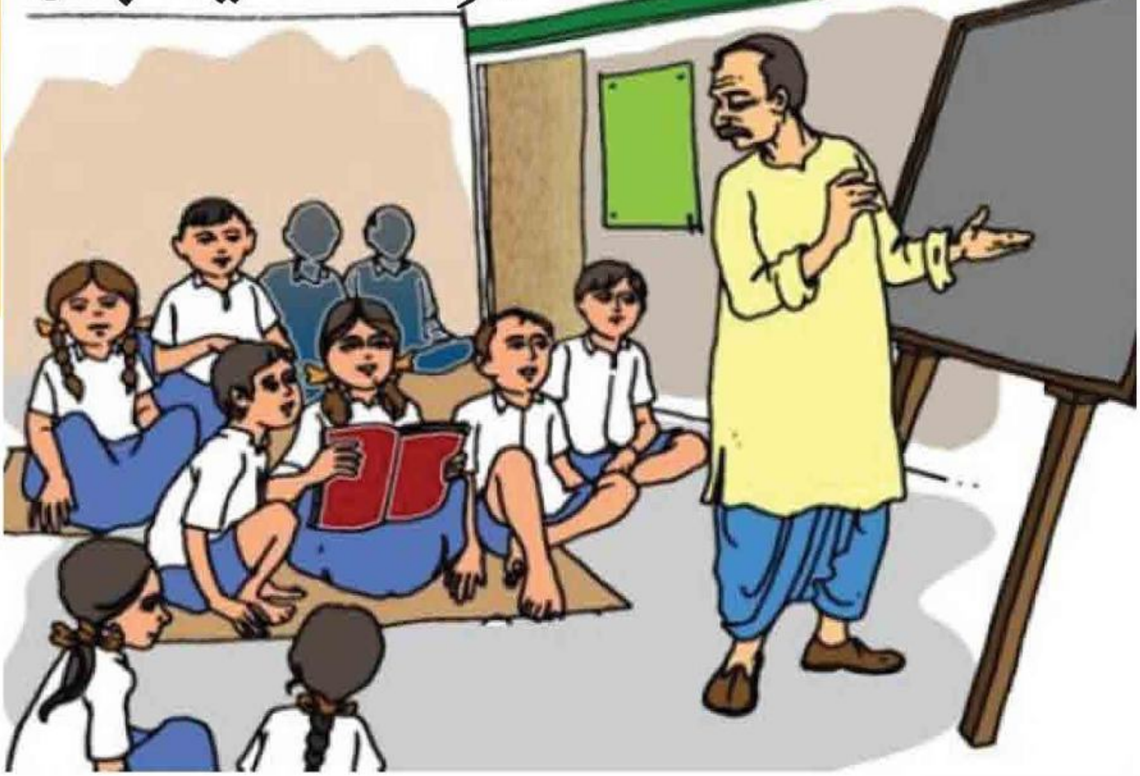

آج سے دس بارہ سال پہلے کی بات ہوگی، میں جماعت دہم میں رہی ہوں گی۔ یہ وہ وقت تھا جب میں اصل معنی میں علم کی لذت سے بے خبر، تعلیم کو محض بوجھ سمجھے ہوئے تھی اور اسی اثنا میں میں نے جماعت دہم کے لیے 'ڈائمنڈ کوچنگ کلاس' میں داخلہ لیا تھا۔ فجر کے بعد کلاس کا آغاز ہوتا اور گھر آتے آتے قریب صبح ساڑھے دس بج جاتے۔

مجھے یاد ہے ٹیوشن کا میرا پہلا دن تھا۔ میں ڈری سہمی گھبرائی ہوئی سیکڑوں منتشر خیالات اور سوالات اپنے ذہن میں سمیٹے ہوئے کلاس میں داخل ہوئی۔ ایک بڑا سا بیسمنٹ جس میں ہال تھا۔ دو سفید بورڈ اور درمیان میں اک بڑا سا تختہ سیاہ موجود تھا اور وہیں ہمارے استاد محترم کی میز اور کرسی تھی۔ طلبا کے لیے صاف ستھری چادر بچھائی جاتی جس پر ہم سب لڑکیاں بیٹھتیں اس وقت میرے ذہن میں یہ سوال اکثر گردش کرتا کہ کیوں طلبا کے لیے ٹیبل نہیں؟ ناپختہ ذہن تھا، علم و فراست کی کمی تھی، اس وقت کیا خاک سمجھ میں آتا؟ اب جب پیچھے کی طرف دیکھتی ہوں تو سمجھ میں آتا ہے کہ اک سچا طالب علم کبھی میز کرسی کا محتاج نہیں ہوتا ہے۔ اقبال کے شعر کی تفسیر آج سمجھ میں آتی ہے کہ۔

علم میں بھی سرور ہے لیکن
یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں

ٹیوشن میں میرا پہلا دن تشنہ آنکھوں میں حیرانگی لیے گزرا۔ دوست احباب بنتے گئے۔

خیر! جو مضامین مجھے وہاں سیکھنے تھے ان میں علم ریاضی، مراٹھی، اور انگریزی جیسے مضامین شامل تھے۔ اس کے علاوہ دوسرے مضامین کی بھی ہم طالبات ذاتی طور پر مشق کرلیا کرتیں۔ علم ہندسہ اور الجبرا کے لیے میرے شفیق استاد جناب مسیح الدین صاحب کا انتخاب میری نظر میں آیا۔ ان کی اپنے مضامین پر زبردست گرفت مجھے آج بھی حیران کیے دیتی ہے۔ میری حیرانی اس وقت مزید بڑھ گئی جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ جناب مسیح الدین، سید واجد علی کے شاگرد رہ چکے ہیں اور اسی حیرانی کو اپنی آنکھوں میں سمیٹے میری واجد علی سر سے پہلی ملاقات ہوئی۔ پرنور چہرے سے بزرگی و اعلیٰ ظرفی چھلکتی شخصیت اس وقت میرے سامنے تھی۔ آپ کا نام سید واجد علی تھا۔ آپ مدرسہ معین العلوم اورنگ آباد میں بہ حیثیت صدر مدرس فائز تھے۔ آپ مصنف و مولف بھی تھے۔ مراٹھی قواعد و انگریزی کے ماہر۔ 1979 میں آپ نے طلبا کے ذہن سے مراٹھی زبان کا خوف ختم کرنے نیز اسے فروغ دینے کے لیے ڈائمنڈ اردو، مراٹھی ٹیچر مع قواعد کے نام سے پہلی کتاب تحریر کی اور اس میں وقتاً فوقتاً اضافہ بھی کیا۔ عام طور پر یہی ذہنیت ہوتی کہ ''زبان مذہب کی پابند ہوتی ہے'' لیکن قرین قیاس یہی ہے کہ ''زبان کسی مذہب کی پابند نہیں بلکہ ہر زبان کا اپنا اک اثر، ایک رنگ ہوتا ہے۔ ہر زبان کی اپنی علاقائی تاریخ ہے۔ ہندی، اردو، مراٹھی، بھوج پوری، گجراتی، پشتو، بنگالی، برج بھاشا، قنوجی، بندیلی، کھڑی بولی ہو یا پھر کوئی اور... یہ مذہب کی نہیں محبت کی پابند ہیں اور اس کی بہت سی مثالیں ہم آج دیکھ سکتے ہیں لیکن میرے لیے، سب سے پہلی مثال میرے استاد محترم جناب واجد علی رہے جنھوں نے بغیر کسی تعصب اور تفریق کے طالب علم کو علم کی شمع سے روشناس کرایا اور یہ شاید آپ کے اسی خلوص و محبت کا نتیجہ ہے کہ آپ کے طلبا و طالبات آج بڑے عہدوں پر فائز ہے۔ آپ کا مراٹھی پر عبور اور اس کے فروغ کے لیے کاوش اس بات کی تصدیق ہے کہ ایک مسلمان بھی مراٹھی سیکھتا ہے اور سکھاتا بھی ہے۔ اسی طرح ایک ہندو بھی اردو ادب کی خوشبو سے معاشرے کو معطر کرتا ہے وہ بھی اردو کو مراٹھی ہی کی طرح گلے لگاتا ہے۔

میرے لیے میرے استاد واجد علی نے درحقیقت 'رہبر' کا کام کیا ہے اور صرف میری ہی نہیں آپ اپنے ہر طالب علم کی رہنمائی کرتے۔ اصل میں ایک مثالی استاد وہی ہے جو بیک وقت نفسیات، اخلاقیات اور روحانیات میں مہارت رکھتا ہو اور بلاشبہ آپ میں یہ تمام مہارتیں موجود تھیں۔

میرا وہ وقت نہایت خوشگوار گزرا، میں نے بہت کچھ سیکھا، علم کے حصول کے لیے میری جستجو اس وقت سے پروان چڑھی۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ میرے مرحوم اساتذہ کرام بشمول جناب سید واجد علی کی مغفرت کرے آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور میرے وہ تمام اساتذہ کرام جو باحیات ہیں خدائے تعالیٰ ان کی عمریں دراز کرے اور دونوں جہان میں کامیابی عطا کرے۔ (آمین)

یہ سچ ہے کہ استاد کا وجود اور ان کی رہبری طالب علم کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ علامہ اقبال نے سچ ہی لکھا ہے کہ

نگہ بلند، سخن دل نواز جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

■

Saba Muneer
Maulana Azad College
Rauza Bagh
Aurangabad - 431001 (Maharashtra)
Mob.: 9028030064

ندیم احمد انصاری

استاد کا منصب ہے اعلیٰ اور اعلیٰ ہے مقام
استاد ہی کی حیثیت سے آئے تھے خیر الانامؐ
اُن نیک نفسوں نے سکھائے ہیں ہمیں جینے کے گُر
اُن کی محبت سے بھری پیاری اداؤں کو سلام
استاد کا دل میں بسا ہے جی ہمارے احترام
استاد کی شفقت بھری پیاری نگاہوں کو سلام
بخشے خدا تم کو، ہمیں، دل کی ہمارے ہے صدا
دل سے نکلتی ہے ہمارے یہ دعا بس صبح و شام
عاملؔ نہیں دے سکتا کچھ، پر دے تو سکتا ہے دعا
ہے پیش تم کو بس یہی، اور ساتھ میں میرا سلام

■
Nadeem Ahmed Ansari
Flat No. 18, Second Floor
Sai Prasad Nagar, A-wing,
Bori Colony, Near Sangam Medical,
Achole Road, Nallasopara (e),
Taluka Vasai, Dist. Thane - 401209
Mobile No. 09022278319

شکیب تائب ابن شمشاد راضی

یوم اساتذہ

ہر سو خوشی ہے پھیلی یومِ اساتذہ ہے
اسکول بھی سجا ہے یومِ اساتذہ ہے
جتنے اساتذہ ہیں بس خوش ہیں آج بے حد
چہرہ کھِلا کھِلا ہے یومِ اساتذہ ہے
بے علم اور جاہل بیمار کی طرح ہے
ٹیچر جو ہے دوا ہے یومِ اساتذہ ہے
کام اپنا چھوڑ کر وہ آ کر کے مکتبوں میں
ہم کو پڑھا رہا ہے یومِ اساتذہ ہے
مشکل بہت ہے پائے وہ کامیابی جس پہ
ٹیچر کی بددعا ہے یومِ اساتذہ ہے
احسان مند ان کا میں ہوں 'شکیب تائب'
جن سے بھی کچھ پڑھا ہے یومِ اساتذہ ہے

■
Shakeb Taeb Ibne Shamshad Razi
Madanpura, Chiraiyakoat Road
Mau Nath Bhanjan - 275101 (UP)
Mob.: 9235079714

عالمی یوم اوزون

انصار احمد معروفی

انصار احمد معروفی کا تعلق مئو سے ہے۔ وہ مدرسہ چشمۂ فیض اوری ضلع مئو میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ انھوں نے بچوں کے لیے بہت سی کتابیں تحریر کی ہیں جن میں یہ زمین، یہ پیڑ پودے، یہ مہینے اور موسم، یہ آب وہوا، یہ جسم وجاں، یہ کائنات، جمادات کی حرکتیں قابل ذکر ہیں۔ ان کا اصل موضوع بچوں کے لیے نیچرل سائنس فکشن ہے۔ بچپن واٹس ایپ گروپ سے بھی وابستہ ہیں۔

اوزون کیا چیز ہے؟ پہلے اس کے بارے میں بات کرتے ہیں، زمین اور اس پر آباد باشندوں کے تحفظ کے لیے اللہ تعالیٰ نے زمین کی سطح سے قریب انیس کلومیٹر اور اڑتالیس (یا کم وبیش) کلومیٹر کی بلندی تک ایک تہہ ہے جو سورج کی نقصان پہنچانے والی شعاعوں کو زمین پر آنے سے روکتی ہے، اگر خدا نخواستہ یہ تہہ نہ ہو یا اس میں سوراخ ہو جائے یا اس کی تہہ پتلی اور باریک ہو جائے، جو آفتاب کی نقصان دہ شعاعوں کو پوری طرح نہ روک سکے تو انسانوں کے ساتھ جانوروں کو بھی خطرناک بیماریوں سے دوچار کردے اور طرح طرح کی بیماریاں اتنی شدت سے بڑے پیمانے پر پھیل جائیں کہ اس کا تدارک انسان کے بس سے باہر کی چیز بن جائے اور اسی کے ساتھ سورج کی براہ راست کرنوں کے آنے سے زمین کا درجۂ حرارت ناقابل برداشت بن جائے۔

روزنامہ نوائے وقت کی ایک رپورٹ میں ہے ''اوزون میں آکسیجن کے تین ایٹم ہوتے ہیں، (03) آکسیجن کا ایک بہروپ ہے، زمین کی سطح کے قریب اوزون ایک فضائی غلاف ہے۔ اس غلاف یا پٹی کا کام ان شعاعوں سے بچانا ہے جو انسان کے لیے نقصان دہ ہیں، اسے چھلنی سمجھیں، جو نقصان دہ بالائے بنفشی شعاعوں کو زمین کی سطح تک پہنچنے سے روکتی ہے۔ اوزون دراصل ایک قدرتی فلٹر ہے جو سورج سے آنے والی نقصان دہ الٹرا وائلٹ شعاعوں کو زمین تک پہنچنے سے روکتا ہے، یہ نقصان دہ شعاعیں جلد کے کینسر کے علاوہ دھوپ سے پیدا ہونے والی جلن اور آنکھوں میں موتیا کے علاوہ پودوں اور فصلوں کو جلانے کا سبب بھی بنتی ہے۔ امریکی ماہرین

ماحولیات نے 1974 میں اوزون کی تہہ کے تحفظ سے متعلق آگاہی کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے واضح کیا کہ اوزون کی تہہ کے خاتمے کی صورت میں نہ صرف دنیا بھر کا درجۂ حرارت انتہائی حد تک بڑھ جائے گا بلکہ قطب جنوبی میں برف پگھلنے سے چند سالوں میں دنیا کے ساحلی شہر تباہ ہوجائیں گے۔‘‘

جس طرح چائے پینے سے قبل اسے چھانا جاتا ہے اور چائے پتی وغیرہ اجزا کو چھلنی کے ذریعے روکا جاتا ہے، اسی طرح قدرت نے زمینی تحفظ کے لیے اوزون کے ذریعے بالائے بنفشی شعاعوں کو روکا ہے، اور مخلوقات کی حفاظت کی ہے۔

اوزون کے تحفظ کا بین الاقوامی دن ہر سال 16 ستمبر کو منایا جاتا ہے، اس دن کے منانے کا مقصد اوزون کی تہہ کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے اوزون زمین کے گرد تہہ ہے جو سورج کی خطرناک الٹرا وائلٹ شعاعوں کو نہ صرف زمین کی طرف آنے سے روکتی ہے بلکہ زمین پر اس کے نقصان دہ اثرات کا خاتمہ کرتی ہے، اوزون آکسیجن کے تین ایٹمز کے ساتھ ایک شفاف اور نظر نہ آنے والی گیس ہے، جو قدرتی طور پر فضا میں موجود رہتی ہے، اوزون کی نوے فی صد مقدار زمین کی سطح سے پندرہ تا پچپن کیلو میٹر اوپر بالائی فضا میں پائی جاتی ہے، مگر 1970 کی دہائی میں یہ انکشاف ہوا ہے کہ انسانی ترقی نے کرۂ ارض کی حفاظت کے اس قدرتی نظام کو بھی خطرات سے دوچار کردیا ہے، ان ہی خطرات کے بارے میں شعور پیدا کرنے کے لیے دنیا بھر میں 16 ر ستمبر کو اوزون کی تہہ کے بچاؤ کا دن منایا جاتا ہے، اوزون کا دن منانے کا مقصد تمام مخلوقات کے صاف اور صحت مند مستقبل کے لیے شعور، ذمہ داری اور عملی کام کو آگے بڑھانا ہے، انسان کے غیر ذمے دارانہ رویے کی وجہ سے زمین کے قدرتی وسائل کم ہورہے ہیں، اوزون کی تہہ میں شگاف کے باعث سورج کی مضر صحت شعاعوں کے براہ راست کرۂ ارض پر پہنچنے سے یہاں کی زندگی متاثر ہورہی ہے، جس کی وجہ سے درجۂ حرارت میں اضافہ ہورہا ہے۔ (وکی پیڈیا)۔

اوزون کی تہہ زمین کے کرۂ باد میں ایک تہہ ہے جس میں اوزون گیس کی حد نسبتاً زیادہ ہے، 1970 کی دہائی میں انکشاف ہوا کہ انسانوں کے بنائے ہوئے کچھ کیمیکل سے اوزون کی تہہ کو نقصان پہنچ رہا ہے، یہ کیمیائی مرکبات کلورو فلورو کاربن کہلاتے ہیں، ان کا استعمال اے سی اور ریفری جریٹر میں کیا جاتا ہے، اوزون تہہ میں شگاف کے باعث الٹرا وائلٹ شعاعیں زمین پر پہنچ جاتی ہیں، جو کئی جلدی امراض کا باعث بنتی ہیں، اس کے علاوہ یہ شعاعیں ماحولیاتی تبدیلیوں کا باعث بھی بن رہی ہیں، ماہرین کے مطابق اوزون کی تہہ کے خاتمے کی صورت میں زمین کے درجۂ حرارت میں خطرناک حد تک اضافہ ہوجائے گا، اور گلیشیرز کی برف پگھلنے سے ساحلی شہر زیر آب ہوجائیں گے۔ اوزون کے تحفظ کے لیے ضروری ہے کہ ہم ایسی مصنوعات پر کنٹرول کریں جن سے اوزون کو خطرہ لاحق ہے، اس سے نہ صرف اوزون کا تحفظ ہوگا، بلکہ ماحولیاتی تبدیلی کے مسائل پر قابو پانے میں ہمیں مدد ملے گی ۔ (World Ozone Day) امپورٹینٹ ڈیز از: احتشام الحق۔

اب سوال یہ ہے کہ اوزون کی تہہ پتلی کیوں ہوگئی؟ اور اس کا تدارک کیسے ممکن ہے؟ اس کے متعلق سائنس داں کہتے ہیں کہ قدرتی اشیا سے تعرض کرنا انسانی زندگی کے لیے باعث خطرہ بن رہا ہے، پہاڑوں اور جنگلوں کی کٹائی، فضائی آلودگی، سمندروں میں بہائی جانے والی غلاظتیں اور درختوں کے خاتمے سے یہ صورت حال پیدا ہوگئی ہے، اس لیے اس کے علاج کے لیے جنگلات کے بے دریغ کٹاؤ پر روک لگانے کی ضرورت ہے، سڑکوں پر دوڑنے والی گاڑیوں اور فیکٹریوں

سے نکلنے والے دھوئیں کو بند کرنے یا کمی لانے ، نیز ماحولیاتی آلودگیوں پر روک تھام کرنے اور گندگی وکوڑا کرکٹ کے جماؤ کوختم کرنے کی صورت میں اس پر قابو پایا جاسکتا ہے، دنیا میں پرتعیش زندگی کے لیے ایئر کنڈیشن، فریزر اور دوسرے کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس کے اخراج کی صورت میں اس کی تہہ کو مزید باریک ہونے سے بچاؤ کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے ایک ڈے منا کر عوام وخواص میں یہ شعور اجاگر کیا جاتا ہے کہ لوگ اپنی زندگی گزارنے کے لیے مثبت سوچ پیدا کرنے کے ساتھ ماحولیاتی گندگی کے پھیلاؤ کو روکنے کا ذریعہ بنیں اور فطری حیات کی شاہراہ پر چل کر دنیا کو ہلاکت کی جانب بڑھنے سے روکنے کے لیے تحفظ کا سامان پیدا کریں۔

دنیا میں مختلف کارخانوں سے نکلنے والی زہریلی گیسیں، مختلف کیمیکل، ایٹمی ہتھیاروں کے تجربات سے ہونے والے دھماکے، اس کے علاوہ جنگ چھڑ جانے کی صورت میں طرح طرح کے اسلحوں اور بم دھماکوں کے نتیجے میں نکلنے والے مختلف مادے، قدرتی نباتات کے زوال اور جنگلوں کی کٹائی کے ردعمل میں اوزون کی موٹی تہوں میں کمی ہونے لگتی ہے، اس حفاظتی چادر میں کہیں کہیں سوراخ ہونے کا خطرہ منڈلانے لگتا ہے، ARY کی ایک رپورٹ نے تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے ''1974 میں امریکی ماہرین ماحولیات نے اوزون کی تہہ کے تحفظ سے متعلق آگاہی کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے واضح کیا کہ اوزون کی تہہ کو لاحق خطرات کے باعث اگلے 75 سالوں میں اس تہہ کا خاتمہ ہوسکتا ہے ، انھوں نے بتایا کہ خاتمے کی صورت میں نہ صرف دنیا بھر کا درجۂ حرارت انتہائی حد تک بڑھ جائے گا ، بلکہ قطب جنوبی میں برف پگھلنے سے چند سالوں میں دنیا کے ساحلی شہر تباہ ہوجائیں گے۔''

سورج کا وجود پوری کائنات کے تحفظ اور حیات کے لیے بے انتہا ضروری ہے، نہ صرف پیڑ پودوں کی پیداوار اور غذا کے حصول کے لیے، بلکہ انسان کی صحت مند زندگی کے لیے بھی اس کی روشنی اور حرارت ناگزیر ہے، سائنس کے اس ترقی یافتہ دور میں شمسی توانائیوں سے کون انکار کرسکتا ہے؟ لیکن اوزون کی تہہ کا تحفظ اسی وقت ممکن ہے جب انسان قدرت کی مناسب اور ضروری اشیا میں چھیڑ چھاڑ نہ کرے اور اپنے ہاتھوں اپنے کو نقصان نہ پہنچائے، یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہم سب کی حفاظت اور بہت سی بیماریوں اور حرارت سے بچاؤ کے لیے ہمارے اوپر ایک ایسی تہہ بنادی ہے جو ہمیں سورج کی خطرناک شعاعوں سے بچاسکے۔ آج پوری دنیا کا درجۂ حرارت تیزی سے بڑھ رہا ہے، لوگ گرمی کی شدت سے بے حال ہوئے جاتے ہیں، ابھی جون میں کناڈا جیسے ٹھنڈے ملک کی خبر آئی تھی کہ وہاں درجۂ حرارت میں بے پناہ اضافے کی وجہ سے چار سو سے زیادہ لوگ موت کے گھاٹ اتر گئے، ایسی خطرناک صورت حال میں ہمیں فطری زندگی اپنانے اور قدرتی سوغات کے تحفظ کی ضرورت ہے، اسی کے ساتھ ماحولیاتی آلودگی سے بچاؤ کا سامان اختیار کرتے ہوئے شجرکاری بیداری لانے اور پہاڑ، سمندر اور جنگلوں کا تحفظ بھی ضروری ہے، ورنہ کائنات میں پھیلی ہوئی مخلوقات قسم قسم کی تباہیوں کا شکار ہونے کے قریب ہے۔ 'عالمی یوم تحفظ اوزون' کے موقع پر عوام وخواص میں بیداری لانے کی خاطر طرح طرح کے پروگرام منعقد کرنے کی شدید ضرورت ہے، کاش ہم اس پر توجہ دے کر آنے والی نسلوں پر احسان کر جاتے۔

■

Ansar Ahmad
Baluwa, Kurthi Jafarpur - 275305
Mau (UP)
Mob.: 8853214848

رنگ برنگی چھتری

عادل حیات

ڈاکٹر عادل حیات شاعر اور ناقد کے ساتھ ساتھ بچوں کے ادب کے حوالے سے بھی اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں۔ بچوں کے لیے انھوں نے بہت سی نظمیں، کہانیاں اور مضامین لکھے ہیں۔ ادب اطفال کے حوالے سے ان کی کتابوں میں چھوٹی گڑیا، راجہ کی جیت، چڑیا نگری، مائی اماں، انوکھا اسکول، سپنوں کا گھر، بستے کا بندر، پیارا چاند قابل ذکر ہیں۔ مختلف اکادمیوں نے بھی انھیں انعامات سے نوازا ہے۔ ان کی کچھ نظمیں اور کہانیاں نصاب میں بھی شامل ہیں۔

گرمی اور بارش کے موسموں میں سر کے اوپر سایہ کیے ہوئے مختلف طرح کی چھتریاں دکھائی دیتی ہیں۔ ان کی بناوٹ، سائز اور رنگ مختلف ہو سکتے ہیں، لیکن سبھی چھتریاں دیکھنے میں گول ہوتی ہیں۔ ان کے بیچ میں لکڑی یا لوہے کا ڈنڈا لگا ہوتا ہے، جس میں آہنی تیلیاں اس انداز میں لگائی جاتی ہیں کہ اسے جب چاہیں کھولیں اور جب چاہیں بند کر لیں۔ ان تیلیوں پر کپڑا مینڈھا ہوتا ہے۔ یہ چھتریاں بارش کے دنوں میں جھما جھم برستے پانی سے بچاتی ہیں اور گرمی کے زمانے میں دھوپ کی تمازت اور اس سے نکلتی ہوئی شعاعوں سے محفوظ رکھتی ہیں۔ ہندوستان میں گرمی اور برسات کے موسموں کے لیے چھتری کافی ہوتی ہے، لیکن بعض دوسرے ممالک میں سورج کی تمازت سے بچنے کے لیے 'پیراسول' اور بارش کی بوندوں سے بچاؤ کے لیے 'چھتری' کا استعمال کیا جاتا ہے۔

دراصل چھتریوں کا رشتہ انسان سے صدیوں پرانا ہے۔ چھتری کب وجود میں آئی اس کے متعلق یقین سے کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا ہے، لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی ایجاد چینی بادشاہوں نے اپنے جاہ و جلال کا مظاہرہ کرنے کے لیے کی تھی۔ چین میں گیارہ سو سال قبل مسیح چمڑے کی چھتری کا سراغ ملتا ہے۔ کئی لوگ ایسے بھی ہیں جو مصر کی تاریخ میں چھتری کے آثار تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چھتری کا

اپنی ایجاد کے ابتدائی دنوں میں بارش اور دھوپ سے کوئی لینا دینا نہیں تھا، بلکہ انسان کے مال و دولت اور شان و شوکت کی نمائش کی چیز سمجھی جاتی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شروع شروع میں چھتریاں مردوں کی دسترس سے دور تھیں، وہ سورج کی تمازت اور بارش سے بچنے کے لیے ٹوپیوں اور خاص قسم کے کوٹ کو ترجیح دیتے تھے۔ اس کے برعکس خواتین چھتریوں کا استعمال بطور فیشن کرتی تھیں۔ وقت بدلا تو مردوں نے بھی چھتریوں کا استعمال شروع کیا۔ اٹھارویں صدی میں مردوں کی چھتریوں کا وزن تقریباً چار پونڈ ہوتا تھا، لیکن عورتوں کی چھتریاں ایک پونڈ یا اس سے کم وزن کی بنائی جاتی تھیں۔ زمانے کے ساتھ چھتریوں کے وزن میں کمی آتی گئی اور اس کا رنگ ڈھنگ بھی بدلنے لگا۔ اٹھارویں صدی کے اختتام پر ماڈرن چھتری بازار میں آگئی اور 1969 میں 'فولڈنگ چھتری' سے دنیا کو متعارف کرایا گیا۔

چھتری کے چاہنے والوں میں مختلف طرح کے لوگ شامل ہیں۔ شدید گرمی اور بارش کے دنوں میں سودا سلف لانے کے لیے چھتری کا استعمال تو ہوتا ہی ہے، ملازم پیشہ افراد آفس اور طلبا و طالبات اسکول یا کالج آنے جانے کے لیے بھی چھتری اپنے سروں پر اوڑھ لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ٹھیلے اور خوانچے والے بھی جہازی سائز کی چھتریوں کا استعمال کرتے ہیں۔ چائے کی دکانوں اور ہوٹلوں کے باہر گول میز کے اوپر جہازی چھتری لگادی جاتی ہے، تاکہ گراہک بارش کی بوندوں اور دھوپ کی تمازت سے بچ سکیں۔ سمندر کے کنارے سیر و تفریح کرتے ہوئے لوگ بھی جہازی چھتری ایک جگہ نصب کرلیتے ہیں، جو انہیں سورج کی کرنوں سے بچاتی ہے۔ کرکٹ ہو یا کوئی اور کھیل، میچ کے دوران اگر آسمان سے بارش برسے تو رنگ برنگی چھتریاں ایک خوبصورت منظر پیش کرتی ہیں۔ اسی طرح جگہ جگہ تعینات پولیس والے بھی چھتریوں کا سہارا لیتے نظر آتے ہیں۔ کئی ممالک میں 'ہیٹ ایمبر یلاز' کا استعمال ہونے لگا ہے۔ جو بیک وقت ٹوپی اور چھتری دونوں کا کام کرتے ہیں۔ ان دنوں مردوں میں زیادہ تر کالی چھتریوں کا چلن ہے، جبکہ خواتین رنگ برنگی اور بچے کارٹونز والی چھتریاں پسند کرتے ہیں۔

وقت کے ساتھ چھتریاں بھی ہائی ٹیک ہوگئی ہیں۔ کئی ملکوں نے بارش سے خبردار کرنے والی ایک خاص قسم کی چھتری بنائی ہے، جس کا نام 'سوشل میڈیا چھتری' رکھا ہے۔ دنیا کے نقشے پر نیدرلینڈ ایک ایسا ملک ہے، جس کے ماہرین نے انوکھی بادل نما چھتری ایجاد کی ہے، جو ائیر کنڈیشن کا مزہ بھی دیتی ہے۔ چین کی ایک مقامی ویب سائٹ پر عجیب و غریب لباس کا اشتہار بہت ہی مقبول ہورہا ہے۔ یہ لباس دیکھنے میں چھتری اور برساتی کے بالائی حصے کا مجموعہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کو پہن کر بارش کی بوچھار سے بچا جاسکتا ہے۔ چینی ویب سائٹ پر اس کا انگریزی نام 'امبریلا رین کوٹ' یعنی چھتری برساتی لکھا ہے۔ یہ مختلف رنگوں میں بچوں، عورتوں اور بڑے بوڑھوں کے لیے دستیاب ہے۔ بارش کے موسم میں سیر و تفریح کو نکلیں، کام پر جائیں یا کسی اور ضرورت کے لیے گھر سے باہر نکلنا پڑے، یہ چھتری ہر حال میں مفید اور کارآمد ثابت ہوتی ہے۔ 'امبریلا رین کوٹ' چونکہ برساتی نما ہوتا ہے، اس لیے پہننے والوں کو اسے تھامنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور اس کے ہاتھ آزاد رہتے ہیں۔ اسے اتارنے کے بعد تہہ کرکے چھوٹی سی تھیلی میں محفوظ کرسکتے ہیں۔ اسے فروخت کرنے والی چینی ویب سائٹ کا کہنا ہے کہ 'امبریلا رین کوٹ' کی تیاری میں ماحول دوست پلاسٹک استعمال کیا گیا ہے جبکہ باریک لیکن مضبوط اور لچک دار تاروں کی مدد

سے یہ کسی چھتری کی مانند پھیل جاتا ہے اور ضرورت پڑنے پر دوبارہ لپیٹا بھی جا سکتا ہے۔ اس کے درجنوں مختلف ڈیزائین ویب سائٹ پر موجود ہیں۔

ان دنوں چھتریوں کی مختلف قسمیں بازار میں دستیاب ہیں۔ انھیں ضرورت کے مطابق خریدا اور استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے کچھ انوکھی ایجاد کے متعلق جاننے کی کوشش کرتے ہیں:

1 : ننھے منوں کو نہلانا کوئی آسان کام نہیں ہوتا، خاص طور پر سروں پر پانی ڈالتے ہی وہ مچلنے اور رونے دھونے لگتے ہیں۔ حال ہی میں ایک ایسی چھتری ایجاد کی گئی ہے، جس کو پہنتے ہی بچوں کا رونا دھونا تفریح میں بدل جاتا ہے۔ اس چھتری کے چاروں طرف سے گرتا ہوا پانی کسی آبشار کی طرح دکھائی دیتا ہے، جس کا نظارہ کرتے ہوئے بچے سکون کے ساتھ نہا لیتے ہیں۔

2 : بارش کے دنوں میں نہ صرف آسمان سے برسنے والے پانی سے بچنا ہوتا ہے بلکہ سڑک پر دوڑنے والی گاڑیوں کے پہیوں سے اڑتے چھینٹوں اور نالوں سے اُبلتے گندے پانی سے بھی خود کو محفوظ کرنا ہوتا ہے۔ "خول نما چھتری" ایک ایسی ایجاد ہے جو برستے ہوئے پانی سے حفاظت کرنے کے علاوہ گاڑیوں کے پہیوں سے اڑتی ہوئی چھینٹوں اور اُبلتے ہوئے نالوں کے گندے پانی سے بھی بچاتی ہے۔ انہی خوبیوں کی بنا پر خول نما چھتری کو '3 ڈی چھتری' بھی کہا جاتا ہے۔

3 : چھتری لگانے کے بعد یہ مشکل کھڑی ہوتی ہے کہ خود کو بارش یا دھوپ سے بچایا جائے کہ سامنے دیکھا جائے۔ ایسے میں کوئی جاننے والا مل جائے تو مشکلیں اور بڑھ جاتی ہیں۔ اس چیز کو دھیان میں رکھتے ہوئے چھتری کے سامنے والے حصے میں ایک ہول بنا دیا جاتا ہے، جس کی چوڑائی نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔ اس ہول کے ذریعے اپنے چہرے سے چھتری ہٹائے بغیر سامنے دیکھ بھی سکتے ہیں اور جاننے والوں سے باتیں بھی کر سکتے ہیں۔

4 : ہم میں سے زیادہ تر لوگ جانوروں سے بے انتہا محبت کرتے ہیں۔ ان کے آرام و آسائش کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ اگر انسان دھوپ اور بارش سے بچنے کے لیے چھتری کا استعمال کرتا ہے تو پالتو جانور کیوں نہیں کریں۔ اسی خیال کو ذہن میں رکھتے ہوئے انگلینڈ میں جہاں زیادہ بارش ہوتی ہے "ڈوگ بریلا" بنایا گیا ہے۔ یہ چھتری پالتو جانوروں کی بارش اور دھوپ سے حفاظت تو کرتی ہی ہے، ان کی خوبصورتی میں بھی چار چاند لگا دیتی ہے۔

پیارے بچو! تمھیں بھی چھتری کا استعمال کرنا چاہیے۔ گرمی کے دنوں میں چھتری تیز دھوپ اور لُو لگنے سے بچائے گی۔ اسی طرح بارش کے موسم میں یہ تمھیں پانی کی بوچھاڑ سے محفوظ رکھے گی، جس سے سردی زکام اور موسمی بخار ہونے کا خطرہ بہت کم ہو جاتا ہے۔ ہندوستان کے کئی شہروں کے علاوہ دنیا کے بہت سے ممالک جہاں سال بھر بارش ہوتی ہے، وہاں کے لوگ ہر وقت اپنے ساتھ چھتری رکھتے ہیں۔ رنگ برنگی اور مختلف طرح کی چھتریاں آسانی کے ساتھ دکانوں پر دستیاب ہو جاتی ہیں۔ ان کی قیمت بھی زیادہ نہیں ہوتی۔ تھوڑے سے پیسے میں من پسند چھتری آسانی سے خریدی جا سکتی ہے۔ انھیں گرمی اور بارش کے دنوں میں سنبھال کر رکھنا بھی بہت آسان ہے۔

■

Dr. Adil Hayat
37/89, Ground Floor, Woodside Apts
S.No: 01, Ghaffar Manzil
New Delhi - 110025
Mob.: 9313055400

ابرار احمد اجراوی

پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی اور بچوں کا ادب

مناظر عاشق ہرگانوی (1948-2021) عصر حاضر کے بسیار نویس اور مقبول قلم کار و ادیب تھے، انھوں نے شعر و نثر کی مختلف اصناف ادب پر ڈھائی سو سے زیادہ کتابیں لکھیں، اردو دنیا میں ان کی پہچان ایک ناقد کے طور تھی اور ادب عالیہ سے ان کا تعلق بہت گہرا تھا، انھوں نے اردو ادب کی ہر صنف پر طبع آزمائی کی اور قدیم اصناف سے لے کر تمام جدید اصناف کو اپنے فکر و فن کی توانائی عطا کی، ہرگانوی صاحب نے بڑوں کے لیے زیادہ لکھا، مگر انھوں نے ابتدا سے ہی بچوں کا ادب بھی تخلیق کیا، بچوں کے لیے بہت سی کہانیاں اور ناول لکھے، بچوں کے ادب کی تنقید اور تاریخ بھی لکھی اور بچوں سے متعلق اصناف کو ادب کے مرکزی دھارے میں لانے کی کوشش کی اور اپنے عہد کے دوسرے مشہور ادیبوں کو بھی بچوں کا ادب لکھنے کے لیے آمادہ کیا۔ انھیں ادب اطفال کے لیے ساہتیہ اکادمی انعام سے بھی سرفراز کیا گیا۔

جہاں انھوں نے ادب عالیہ کی دنیا میں قابل فخر تحریری سرمایے کا انبار لگایا ہے، وہیں ایک مقصد کے تحت بچوں کے لیے بھی کہانیاں، ناول اور نظمیں لکھتے رہے ہیں۔ قابل فخر بات یہ ہے کہ ان کی تحریریں کئی ریاست کے اردو نصاب میں بھی شامل ہیں۔ اور دلچسپی کے ساتھ پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں۔ انھوں نے بچوں کے لیے تخلیق و تصنیف کا سلسلہ 1964 سے ہی بڑے اہتمام سے جاری رکھا۔ انھوں نے ایک دو نہیں، بلکہ 30 سے زائد کتابیں ادب اطفال پر تخلیق کی ہیں۔ اغوا (ناول)، کھیل ہی کھیل میں (ناول)، گدھ کے پنجے (ناول)، جنگل کے ڈاکو (ناول) ملا نابالغ (ناول) دوستی (کہانیاں)، کھوٹا سکہ (کہانیاں)، خالق چچا نے شکار کھیلا (شکاریات)، اردو میں بچوں کا ادب (اینتھولوجی)، میٹھا گیت (کہانیاں)، اصلی نقلی بریشہ (کہانیاں)، فیصل کی جاسوسی (ناول)، جنگل کی پہچان (ناول)، قتل کا کھیل (ناول)، جیسے کو تیسا (کہانیاں)، ایمان داری کا پھل (کہانیاں)، بینک لوٹنے کا پروگرام (ناول) انمول موتی (ناول)، عدنان کا جاسوسی کارنامہ (ناول)، پاپا اب ایسا

نہیں ہوگا (کہانیاں)، وغیرہ۔ یہ تمام کتابیں مطبوعہ ہیں اور بچوں کے ادب میں اہمیت کی حامل شمار ہوتی ہیں۔ ان کتابوں کے علاوہ انھوں نے درسی نصابی کتابیں بھی تیار کی ہیں۔ سب سے اہم بات یہ کہ ہر کتاب اتنی دل چسپ اور سبق آموز ہے کہ بچے طبعی اور فطری طور پر ان کتابوں کی طرف لپکتے ہیں۔

شکار اور شکاریات ایک ایسا موضوع ہے جو تحیر اور تجسس سے لبریز ہے، انھوں نے بچوں کے لیے اس موضوع کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ ادب اطفال میں جاسوسی ادب کی جو سیریز ہرگانوی صاحب نے تیار کی ہے، وہ دوسرے ادب اطفال کے فن کاروں کے یہاں نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے۔ ویسے ان سے پہلے اظہار اثر نے بھی بچوں کے لیے بڑی تعداد میں جاسوسی کہانیاں لکھی تھیں، مگر دونوں فن کاروں کے ٹریٹمنٹ، طرز ادا اور انداز پیش کش میں فرق ہے۔

ایک خاص بات یہ کہ ہرگانوی صاحب نے تفریح طبع یا وقت گزاری کے لیے نہیں، بلکہ بچوں کا ادب ایک وسیع وژن کے تحت لکھا ہے، تاکہ بچے یہ کتابیں پڑھ کر ترقی کرسکیں اور اپنی صلاحیت کو پروان چڑھاسکیں۔ ان کتابوں میں اگر ایک طرف مافوق الفطرت عناصر یعنی جنوں، دیووں، بھوت پریت اور پریوں کے واقعات درج ہیں، تو دوسری طرف ان میں مذہبی فکر اور اخلاقی اصلاح و تربیت کی گونج بھی سنائی دیتی ہے جو بچوں کے لیے لکھے جانے والے ادب میں ایک لازمی عنصر کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ تمام واقعات اور حادثات کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ اس سے ایک حیرت انگیز نتیجہ برآمد ہوتا ہے، جس سے بچوں کو ذہنی سکون ملتا ہے۔ اور ان کے یہاں ہمیشہ سچائی کی جیت ہوتی ہے۔ وہ بچوں کو کہیں گومگو کی کیفیت اور دوراہے پر نہیں چھوڑتے۔ ان کی ہر کہانی ایک واضح اور مثبت نتیجے پر ختم ہوتی ہے۔ ہرگانوی صاحب کی ایک اور خصوصیت ہے کہ انھوں نے بچوں کے ادب کی تنقید بھی فراخ دلی سے لکھی ہے، حالاں کہ ملکی اور ریاستی پیمانے پر بچوں کے ادب کے ناقدین کی جو تعداد ہے وہ واقعی افسوس ناک اور باعث شرم ہے۔ ایک تو ہمارے تخلیق کار ادب اطفال کی تخلیق سے جی چراتے ہیں اور جو لوگ لکھ رہے ہیں، ان پر ناقدین کچھ بھی اظہار خیال کرنے سے کتراتے ہیں، جو بچوں کا ادب لکھنے والوں کے لیے حوصلہ شکنی کا سبب بنتا ہے۔

ہرگانوی صاحب نے کہانی یا ناول یا بچوں کے لیے جو دوسری تحریریں لکھی ہیں، ان کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے بچوں کی نفسیات اور ان کی پسند و ناپسند کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد یہ تحریر لکھی ہے، گویا وہ پہلے خود بچہ بن جاتے ہیں اور بچوں کے ذہن اور ان کے دل و دماغ سے سوچنے لگتے ہیں۔ وہ اپنے بچپن اور بچپن کے ایم (Aim) کی طرف لوٹنے کے بعد ہی کہانیوں، ناولوں اور نظموں کو الفاظ کا پیکر عطا کرتے ہیں۔ زبان بھی بہت سیدھی سادی اور سلیس و سادہ ہوتی ہے، کہانیوں کے پلاٹ، واقعات اور کردار سب کچھ فطری اور دلچسپ ہوتے ہیں۔ ہمارے عہد کے اکثر ادیب و شاعر ادب یعنی ناول و کہانی تو بچوں کے لیے لکھتے ہیں، مگر اپنی ذہنی اور لسانی سطح بڑوں والی رکھتے ہیں، جنھیں پڑھ کر بچے اکتاہٹ کا شکار ہوجاتے ہیں۔ مناظر صاحب اس روش کے سخت خلاف تھے۔

ان کتابوں کے علاوہ بچوں کے ادب کو محیط انھوں نے ایک عمدہ انتخاب ''اردو میں بچوں کے ادب کی اینتھولوجی'' بھی ترتیب دی ہے، جو ساہتیہ اکادمی نئی دہلی سے شائع ہوچکی ہے اور اپنے مواد و اسلوب اور مضامین کی رنگا رنگی کی وجہ سے ہر عمر کے بچوں میں بے حد مقبول رہی ہے اور حوالے کے طور پر

استعمال ہوتی ہے۔ہرگانوی صاحب کو ادب اطفال پر ہندستان کا سب سے بڑا ادبی انعام ساہتیہ ایوارڈ مل چکا ہے۔ وہ اپنی کہانیوں کی زبان اور واقعہ دونوں بہت آسان رکھتے ہیں۔ ایمان داری کا پھل میں جو پہلی ہی کہانی 'گھیراؤ' ہے اس میں بچوں کی نادانی کا حال بیان کیا گیا ہے کہ بچے اپنی ممی کے گھیراؤ کا اس لیے پلان بناتے ہیں کہ وہ انھیں امتحان کے دنوں میں سرکس دیکھنے سے منع کر رہی تھیں، مگر وہ گھیراؤ کے مفہوم سے بھی ناواقف ہوتے ہیں۔ دیکھیے:

''شہیر نے مشورہ دیا۔'' کیوں نہ ہم ممی کا گھیراؤ کردیں۔''

''گھیراؤ؟'' ڈولی نے پوچھا۔''یہ کیا چیز ہوتی ہے؟''

''ٹھیک طرح تو مجھے بھی نہیں معلوم ہے۔ ویسے ریڈیو پر روز سنتا ہوں کہ فلاں جگہ مزدوروں نے منیجر کا گھیراؤ کردیا اور اپنی باتیں منوالیں۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔ جس کا گھیراؤ کرنا ہو اسے چاروں طرف سے گھیرلو۔'' ہمانے کہا۔'' (ایمان داری کا پھل، ص6)

مناظر عاشق ہرگانوی کی بچوں کے ادب سے دل چسپی اور ایک سے بڑھ کر ایک کہانیوں اور ناولوں کی سیریز کو وقت کے بڑے بڑے ادیبوں نے خراج تحسین پیش کیا۔

ماہر اقبالیات پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے یوں لکھا:

''اردو میں بچوں کے ادب کی بڑی کمی ہے۔ نظم میں بھی نثر میں بھی۔ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا شمار ان اہل قلم میں ہے جنھوں نے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے اور کامیاب کوشش۔ بچوں کے لیے مناظر عاشق کے نثری ادب کی خوبی یہ ہے کہ بچے اسی سیدھی سادی اور دلکش زبان میں یہ کہانیاں پڑھ کے اسی زبان میں دوسروں کو سنا سکتے ہیں۔ بیان کی دلکشی مناظر عاشق کی ان کہانیوں کی ایک قابل ذکر خصوصیت ہے۔'' (ایضا، ص3)

ہرگانوی صاحب بچوں کے ادب کو انقلاب اور تبدیلی کا پیش خیمہ یقین کرتے تھے اور ان کا یہ نظریہ تھا کہ بچوں کے اندر جب دل چسپی پیدا ہوجائے گی تو وہ ایک سائنس داں، مصلح قوم اور ایک کامیاب لیڈر اور مشہور ادیب وشاعر بھی بن سکتے ہیں۔ وہ والدین، گارجین اور بچوں کو اچھی کتابیں اور رسائل کا تحفہ دینے کی ترغیب دیتے ہوئے یہ لکھتے ہیں:

''کتابوں کے ذریعے کسی خاص سمت میں دلچسپی پیدا ہونے سے بچہ ایک عظیم سائنسداں، کھلاڑی یا ادیب بھی بن سکتا ہے۔... ان کی ذہنی نشو ونما کے لیے ہر ماہ اچھی کتابوں میں سے ان کی دلچسپی کے مطابق کم از کم دو تین کتابیں یا رسالے ضرور منگوائیں۔'' (اردو میں بچوں کا ادب، مناظر عاشق ہرگانوی، ص5)

آج مناظر عاشق ہرگانوی صاحب ہمارے درمیان نہیں ہیں، وہ اس کورونا کی لہر کا شکار ہوکر 17 اپریل 2021 کو اس دنیا سے رخصت ہوگئے، مگر انھوں نے بچوں کے لیے جو ادب تخلیق کیا ہے، اس کی وجہ سے ہماری ادبی دنیا میں زندہ رہیں گے اور نئی نسل ان کی کتابیں پڑھ کر اپنی ذہنی اور اخلاقی تربیت کا سامان تلاش کرتی رہے گی۔ ہمیں اپنے بچوں کی ذہنی، اخلاقی، تہذیبی، ترقی کے لیے مرحوم کی کتابوں کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے اور انھیں اپنے دار المطالعہ کا حصہ بنانا چاہیے کہ ان کتابوں میں بچوں کے ذہنی معیار کا بہت زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔

■

Dr Abrar Ahmad
Deptt of Urdu
B.M College, Rahika
Madhubani- 847238
M.: 9910509702

تاج محل

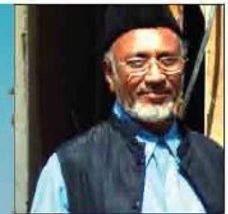
علیم صبا نویدی

تاج سچ مچ خوبصورت ہے بہت
پیار کی نورانی دولت ہے بہت
اس کے دامن میں بہاروں کا ہجوم
محوِ سجدہ اس کے آگے ہیں نجوم
اس کا پیکر آیتوں سے لیس ہے
گویا نوری رحمتوں سے لیس ہے
لگ رہا ہے چاندنی اس کا بدن
نکہتوں سے اس کا مہکا پیرہن
شام اس کی دل فریب و دل نواز
روزِ روشن اس میں ہے محوِ نماز
یہ دلوں کی دھڑکنوں کا آئینہ
مسکراتی چاہتوں کا آئینہ
اس میں شاہنشاہی عظمت کا وفور
جاہ و حشمت اور عدالت کا وفور
تاج ہے یہ منظرِ خلد بریں
ہیں ادائیں خوبصورت دل نشیں
تاج روحانی تسلی کا محل
وقت کے ہاتھوں میں اک تازہ کنول
اس سے بہتر کوئی بھی خوشبو نہیں
مقبرہ ہے آنکھ میں آنسو نہیں
چاہتوں کی تاج اک تعبیر ہے
اہلِ دل کے واسطے تصویر ہے
پیار کا شمشیر سے رشتہ نہیں
دولت و جاگیر سے رشتہ نہیں
تمکنت اس پیار کی شاہی نہیں
ہم نے ایسا پیار دیکھا ہی نہیں
خوابِ شاہِ ہند غم دیدہ نہیں
عشق کی تعبیر رنجیدہ نہیں
پیار کو بیساکھیاں کب ہیں پسند
مرتبہ جس پیار کا ہے سر بلند

■

Aleem Saba Naveedi
No.: 192/266, Triplicane High Road
Flat No.: 16, Second Floor
Rice Mandi Street
Chennai - 600005
Mob.: 9840361399

انس مسرور انصاری

برکھا رانی

برکھا رانی برکھا رانی
تھوڑا اور ہمیں دو پانی

کاغذ کی اک ناؤ بنالیں
پانی کے اوپر تیرالیں

ناؤ جو اپنی بہتی پائیں
زور زور سے تالی بجائیں

ہم سب مل کر جھومیں گائیں
تھوڑی دیر تو موج اڑائیں

پر تم ہم کو ترساتی ہو
تھوڑا سا جل برساتی ہو

اتنے جل میں کیا ہوتا ہے
بس اپنا تو من روتا ہے

برکھا رانی برکھا رانی
تھوڑا اور ہمیں دو پانی

گلیوں گلیوں شور مچائیں
بھاگیں، دوڑیں خوب نہائیں

ممّی پاپا سب، چلّائیں
پر ہم کسی کے ہاتھ نہ آئیں

ہنستے گاتے دوڑ لگائیں
اک دوجے کے پیچھے جائیں

چلتی ریل سی ہم بن جائیں
منہ سے اپنے سیٹی بجائیں

اتنا برسو اتنا برسو
آج ہمارا جی خوش کردو

برکھا رانی برکھا رانی
تھوڑا اور ہمیں دو پانی

(تعارف فروری 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Anas Masroor Ansari
Sakraval, Urdu Bazar
Tanda
Ambedkar Nagar - 224190 (UP)
Mob.: 9453347784

میرے پیارے ابو جان!

رفیق گلاب

رفیق گلاب ممبئی میں میونسپل کارپوریشن اسکول میں مدرس ہیں۔ بچوں کے لیے ڈرامے، نظمیں، کہانیاں اور مضامین تحریر کرتے ہیں۔ان کے ڈراموں کا مجموعہ 'آؤ چاند پر چلیں' شائع ہوچکا ہے۔قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے مالی تعاون سے بچوں کے لیے مضامین کا مجموعہ 'علم وفن کی دنیا سے' منظر عام پر آچکا ہے۔ بچوں کے لیے طویل مدت تک ڈراما نگاری کے لیے روزنامہ 'اردو ٹائمز' ممبئی نے انھیں لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ سے نوازا ہے۔ ان کی دو کتابیں 'آؤ بچو کریں ڈراما' (ڈراموں کا مجموعہ) اور 'سنو بچو' (نظموں کا مجموعہ) زیر طبع ہیں۔

تم سے میری آن اور بان
تم سے ہے میری پہچان
تم ہی سے ہے میری شان
میرے پیارے ابوّ جان!
تم نے مجھ کو چلنا سکھایا
پڑھنا سکھایا لکھنا سکھایا
ایک اچھا انسان بنایا
تم پر جان و دل قربان
میرے پیارے ابوّ جان!
تم سا مجھ کو یار ملا ہے
تم سے کتنا پیار ملا ہے
گویا سب سنسار ملا ہے
تم نے لٹائی مجھ پہ جان
میرے پیارے ابوّ جان!

کرتے تھے تم خطا کو معاف
بھائی بہنوں میں انصاف
کیا کیا گناؤں میں اوصاف
ہر پل چہرے پر مسکان
میرے پیارے ابوّ جان!
اپنائی تھی خودداری
خودداری میں دلداری
پل پل اعلی کرداری
غربت میں بھی ایسی شان!
میرے پیارے ابوّ جان!

■

Rafique Gulab
3-C, 102, Sarvodaya Park, Kalyan
Thane - 421301 (Maharashtra)

نظم

مجیب شہزر

موسمِ برسات

یہ موسم سُہانا جو برسات کا ہے
حقیقت میں خوشبو کی بارات کا ہے

ہوئی دھوپ رخصت جو چھائیں گھٹائیں
نگاہوں کو بھائیں یہ دلکش فضائیں

مسرت کے ساغر چھلکنے لگے ہیں
کسانوں کے چہرے دمکنے لگے ہیں

ہوا دُور گرمی کا دورِ قیامت
ملی سب کو ٹھنڈی ہواؤں سے راحت

جو رِم جِھم نے چھیڑے ہیں دلکش ترانے
ہواؤں کے لب پر ہیں رنگیں فسانے

یہ ہے مانسونی گھٹاؤں کی برکت
ہوئی بارشوں سے زمیں رشکِ جنت

ہوئے سبز میداں کھلے پھول ہر سُو
ہواؤں کے آنچل لٹاتے ہیں خوشبو

جو رقصاں نظر آئیں کھیتوں میں فصلیں
کسانوں کے دل شادمانی سے مچلیں

ہے بارش کے عالم میں مستی ہی مستی
نظر آئیں پانی میں کاغذ کی کشتی

فلک پر گھٹاؤں نے لہرائے پرچم
ہر اک سمت ہے باد و باراں کا عالم

ہے رنگین موسم سُہانا سماں ہے
لگے جیسے مخمور سارا جہاں ہے

زمیں سج سنور کر دلہن بن گئی ہے
کہ پھولوں کا رنگیں چمن بن گئی ہے

ہے برکھا کا موسم بہت خوب شہزر
لبھاتا ہے دل کو دھنک رنگ منظر

■

Dr Mujeeb Shehzar
159/9 Tandon Para Kanker Street
Aligarh-202001
Mob.9837684430
mujeebshehzar786@gmail.com

گھڑی کا گیت

شاہد جمیل

کہے ٹِک ٹِک سنے ٹِک ٹِک
گھڑی میری کرے ٹِک ٹِک
اجی ٹِک ٹِک
اجی ٹِک ٹِک

منٹ بولے میں گھنٹہ ہوں
لگا کر پر جو اڑتا ہوں
مری ٹوپی
ہلے ٹِک ٹِک

ابھی دن ہے ابھی ہے رات
ابھی گرمی ابھی برسات
ابھی سردی
پڑے ٹِک ٹِک

میں جادو گر کروں جادو
اور ڈاکو کو کروں سادھو
مرا جادو
چلے ٹِک ٹِک

(تعارف فروری 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Shahid Jameel
202, RD Mension, Asiana Deegha Road
Near Axis Bank, POBV College
Patna - 800014 (Bihar)

بچہ مزدور

عبدالرزاق دل کولہاپوری

لکھنے پڑھنے سے مجھ کو رکھتے ہیں دور
بچو! کہلاتا ہوں میں بچہ مزدور

بچپن سے اس کام میں ڈھالا جاتا ہے
کیوں مجھ کو اس موڑ پہ ڈالا جاتا ہے

مزدوری سے کچھ سکے پاسکتا ہوں
لیکن پڑھ کر سب کے کام آسکتا ہوں

ہاتھ میں میرے روز نیا اک چھالا ہے
خودغرضی نے اس الجھن میں ڈالا ہے

دیکھ کے تم کو میرا من للچاتا ہے
لیکن میرا مزدوری سے ناطہ ہے

■

Abdur Razzaq Dil Kolhapuri
(Dil Bharti House)
Kolhapur, Taullaqa: Bhatkoli
Distt.: Amravati - 444802 (Maharashtra)

نظمیں :

پیاری گڑیا

وارث جمال

بچوں کی ہے پیاری گڑیا
سب کی راج دلاری گڑیا
دیکھ کر جاتی میری سکھیاں
میرے ہاتھ میں پیاری گڑیا
اس کی آنکھیں پھولوں جیسی
اور گلشن سی کیاری گڑیا
میلا تجھ کو لے جانا ہے
جلدی کر تیاری گڑیا
اللہ پاک کی تم ہو رحمت
تم ہو میری پیاری گڑیا
میرے بابا میری خاطر
لائے راج کماری گڑیا
چاند ستارے سب ہیں پیارے
لیکن سب پر بھاری گڑیا
رشتے ناطے سارے چھوٹے
اک تجھ سے ہے یاری گڑیا
بال سنہرے پیارے پیارے
مجھ کو جان سے پیاری گڑیا
وارث منا میلے میں تم
دیکھو کتنی ساری گڑی

■

Waris Jamal
Anjuman Rahmania Moyeenuddin Masjid
Shivshahi Parakalp
Flim City Road, Gore Gaon (E)
Mumbai - 400065
Mob.: 8879466780

علم کی دنیا

کلیم جاذل

پھول، شفق، جگنو سے روشن لگتی ہے
یہ 'بچوں کی دنیا' گلشن لگتی ہے
اس کی خوشبو سے مہکے گھر آنگن ہے
اور یہی جیون کا جیسے درپن ہے
اس کا ہر اک ورق سنہرا لگتا ہے
علم سے اس کا رشتہ گہرا لگتا ہے
بچے، بوڑھے، سب کے من کو بھاتی ہے
نظمیں، غزلیں جو بھی کہانی آتی ہے
ذہن و دل اس کی خوشبو سے مہکے ہیں
ننھے بچے روزانہ ہی پڑھتے ہیں
علم کا روشن باب یہاں پر کھلتا ہے
جیون کا ہر رنگ یہاں پر ملتا ہے
بچوں کو تہذیب و ادب سکھلاتی ہے
اور ہمیشہ نئی دِشا دکھلاتی ہے
چھوٹے چھوٹے بچے رغبت رکھتے ہیں
مت پوچھو کہ کتنی محبت رکھتے ہیں
ظلمت میں جاذل یہ ایک اجالا ہے
مندر، مسجد، گرجا اور شوالہ ہے

■

Kaleem Jazil
Research Scholar
Maulana Azad University
Gachibowli
Hyderabad- 500032 (Telangana)

کہانی

نصیحت

اقبال برکی

رمیز پانچویں جماعت کا طالب علم تھا۔ وہ نیک، شریف، سیدھا سادہ اور ذہین لڑکا تھا۔ اب تک وہ صرف اول نمبر سے ہی پاس ہوتا رہا تھا۔ اس کی عادتیں بھی اچھی اور پسندیدہ تھیں۔ دوسرے لڑکوں کی طرح اُسے بہت زیادہ کھیلنے یا اپنے ہمجولیوں کے ساتھ بلا مقصد اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے یا اُن کے ساتھ رہ کر وقت گزاری کا شوق نہیں تھا۔ اس کے گھر سے کچھ فاصلے پر ایک پرائمری اسکول تھا۔ اسکول میں باسکٹ بال کا کورٹ بھی تھا جس پر اسکول اور آس پاس کے بچے کھیلا کرتے تھے۔ رمیز بھی شام کو کچھ وقت کے لیے گھر کے باہر جاتا اور کچھ دیر تک باسکٹ بال کھیل لیا کرتا۔ مغرب کی اذان ہوتے ہی کھیل بند ہو جاتا اور وہ گھر واپس آجاتا۔ اس کا زیادہ تر وقت اپنے گھر پر گزرتا تھا۔ وہ گھر پر رہتا تو کوئی کہانی کی کتاب پڑھتا یا بچوں کا رسالہ 'امنگ' پڑھتا رہتا، یا پھر کسی بنا بگاڑ میں لگا رہتا۔ وہ اکثر کاغذ یا دفتی یا لکڑی کے چھوٹے موٹے کھلونے بناتا، ان سے کھیلتا اور جب جی بھر جاتا تو انھیں کھلونوں کی ٹوکری میں ڈال دیتا۔

رمیز کی ایک عادت تھی۔ اس کی امی جب بھی باورچی خانے میں پکانے جاتی، وہ اپنی کوئی کتاب لے کر اس کے قریب بیٹھ جاتا۔ اس کی امی کھانا پکانے میں لگی رہتی اور وہ اپنی پڑھائی میں۔ جب کبھی اُسے کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی یا کوئی مشکل لفظ آجاتا تو وہ پڑھتے پڑھتے اپنی امی سے پوچھ لیتا اور پھر پڑھائی میں لگ جاتا۔

ایک دن وہ اپنی پڑھائی میں مصروف تھا۔ اس کی امی کھانا پکا چکی تھی۔ باورچی خانے میں اس کا کام تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ وہ وہاں سے نکل کر دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی لیکن رمیز وہیں بیٹھا پڑھتا رہا۔ وہ ایک دلچسپ کہانی پڑھ رہا تھا۔ اس لیے اس میں ایسا کھویا کہ اُسے وقت کا خیال ہی نہ رہا۔ بالآخر کافی دیر بعد کہانی ختم ہوئی۔ کہانی پڑھ کر اُسے بہت اچھا لگا۔ کافی دیر تک اس کے اُوپر کہانی کا اثر باقی رہا۔ رمیز کہانی ختم کر کے باورچی خانے کی دیوار سے ٹیک لگائے زمین پر بیٹھا رہا۔ پھر اپنے پاؤں پسار دیے اور دھیرے سے وہیں لیٹ گیا۔

ابھی کچھ ہی دیر گذری تھی کہ باہر سے پھیری والے کی آواز آئی، 'جامن لے لو جامن۔ رسیلے میٹھے جامن۔' گلی میں کوئی آواز لگا لگا کر کالے کالے میٹھے رسیلے جامن بیچ رہا تھا۔ پھیری والے کی آواز رمیز کے کان میں پڑی۔ یکا یک کہانی کا جو سرور اس کے دل و دماغ پر چھایا تھا محو ہو گیا۔ اس کا ذہن ان جامنوں میں جا الجھا۔ اس کے منہ میں رہ رہ کر پانی آرہا تھا۔

جامن اُسے بہت پسند تھے۔ کالے کالے رسیلے جامنوں پر وہ جان دیتا تھا۔ جامنوں کے موسم کا اُسے ہمیشہ انتظار رہتا تھا۔ جب بھی اُسے جامنوں کی یاد آتی وہ اپنی امی یا اپنے ابو سے ضرور پوچھتا کہ بازار میں اور گلی میں جامن والے کب آئیں گے؟ اور آج اچانک جامن والے کی آواز جو کان میں پڑی تو وہ بے چین ہو گیا۔

اس نے چاہا کہ دوڑ کر اپنی امی سے پیسے مانگ لے۔ لیکن پھر اُسے یاد آیا کہ اُسے جو جیب خرچ ملتا تھا وہ تو اُسے مل چکا تھا اور وہ اُسے خرچ بھی کر چکا تھا۔ یہ خیال آتے ہی اُس نے اپنی امی کے پاس جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ پھر وہ اپنے آپ کو بہلانے میں لگ گیا۔ اس نے سوچا جلدی کیا ہے؟ اب جامن آنے لگے ہیں تو اور آئیں گے۔ کل میں ضرور جامن لے لوں گا۔ لیکن پانی تھا کہ اُس کے منہ میں رہ رہ کر چلا آ رہا تھا۔ ایک طرف وہ اپنے آپ کو سمجھا رہا تھا۔ دوسری طرف جیسے کوئی اندر ہی اندر اُسے کہہ رہا تھا کہ آج جیسا میٹھا رسیلا جامن آیا ہے کل ویسا تھوڑی آئے گا۔ اسی کشمکش میں اس کی نظر اُن خوردہ پیسوں پر جا پڑی جو اس کے ابو دفتر جاتے وقت اس کی امی کو دے دیا کرتے تھے اور اس کی امی لاپرواہی سے ان پیسوں کو باورچی خانے میں بنے چھوٹے طاق میں یوں ہی رکھ دیتی تھی۔ اس نے سوچا کہ اُٹھ کر اس میں سے پیسے لے لے۔ مگر اس خیال کے ساتھ ہی وہ لرز اُٹھا۔ اُس نے سوچا یہ تو چوری ہے۔ مگر پھر جیسے کسی نے کہا، 'لے لے تیرے ہی لیے تو ہیں۔ امی بھی تو اس میں سے ہی تجھے دیتی ہے۔' مگر اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ ایک بار پھر جامن والے کی آواز آئی، 'لے لو۔ کالے کالے جامن لے لو۔ میٹھے رسیلے جامن لے لو۔ پھر نہ ملیں گے ایسے جامن۔' رمیز تڑپ اُٹھا۔ اس نے کنکھیوں سے ادھر اُدھر دیکھا۔ کوئی نظر نہ آیا۔ وہ آہستہ سے اُٹھا۔ ہمت کر کے ہاتھ بڑھایا اور طاق میں سے پیسہ اُٹھا لیا۔ جیسے ہی وہ پیسہ لے کر پلٹا اس کی نظر اس کی امی پر پڑی۔ وہ اُسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ رمیز سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ پیسہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑا۔ حلق سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔ اس کے منہ سے آواز تک نہ نکل سکی۔

رمیز کی امی اُسے کچھ دیر تک یونہی دیکھتی رہی پھر وہ آہستہ سے آگے بڑھی اور اس کے بالکل قریب بیٹھ گئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے رمیز کا چہرہ پکڑ لیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی، 'بیٹا، مجھ سے پوچھے بغیر یہ پیسے تم نے کیوں لیے۔ یہ تو چوری ہے۔ تم اس طرح اپنے ہی گھر میں چوری کرو گے تو ہم تم پر بھروسہ کیسے کریں گے۔ اگر تم اپنے والدین کا اعتبار حاصل نہیں کر سکو گے تو دنیا والے تم پر کیسے اعتبار کریں گے۔ جب کوئی تم پر اعتبار نہیں کرے گا تو تم کیسے جی سکو گے۔ ذلت کی زندگی کوئی زندگی نہیں ہوتی، بیٹا!'

اس کی امی نے یہ باتیں ایسی نرمی، محبت اور خلوص سے کہی تھی کہ ایک ایک لفظ کانوں سے ہوتا ہوا سیدھا رمیز کے دل میں اُترتا چلا گیا۔ وہ کچھ دیر تو اپنی امی کو دیکھتا رہا پھر اچانک رو پڑا، اور پھوٹ پھوٹ کر روتا رہا۔ اس کی امی اسے سینے سے چمٹائے رہی۔ جب رمیز چپ ہوا تو اس کی آنکھوں میں ایک ایسا ارادہ دکھائی دے رہا تھا کہ وہ اب ایسا کام ہرگز نہ کرے گا۔

(فروری 2021 کے شمارے میں ان کا تعارف ملاحظہ فرمائیں)

■

Dr. Iqbal Berki
155, MHAD, Noor Bagh
Malegaon. 423203
Dist. Nasik (Maharashtra)
Mob. 8329273266.

چلو جنگل کی سیر کریں

پرویز شہریار

ڈاکٹر پرویز شہریار حکومت ہند کے اہم ادارہ نیشنل کونسل فار ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ (NCERT) میں اردو پبلی کیشنز کے انچارج کی حیثیت سے پرائمری سے لے کر بی ایڈ تک کے تمام مضامین کی درسی اور غیر درسی کتابوں کی اشاعت کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ نے این سی ای آر ٹی کی مشہور کتابیں ننھا شہزادہ اور معصوم دل کا جادو کے ترجمے کیے ہیں۔ ادب اطفال کے حوالے سے نیشنل بک ٹرسٹ نے آپ کی کتاب 'صدر جمہوریہ کا بہادری انعام' بہت اہتمام سے شائع کی ہے۔

آج صبح سویرے جب میں اپنی بالکونی پر گیا تو دیکھا کہ معمول کے برخلاف آسمان پر روئی کے گالوں کی مانند سفید سفید بادل تیزی سے رواں دواں تھے۔ نیم، بکائین اور شہتوت کے درخت ہوا کے جھونکوں سے جھوم رہے تھے۔ گزشتہ کئی دنوں کی لگاتار سخت گرمی کے بعد آج موسم اچانک کچھ سہانا معلوم ہو رہا تھا۔

میری بیگم نے چائے اور بسکٹ لاکر میرے سامنے گارڈن ٹیبل پر رکھ دیا۔ اتنے میں صبح کا اخبار بھی آ گیا۔ آج 5 جون، 2021 کا دن پوری دُنیا میں یوم ماحولیات کے طور پر منایا جا رہا تھا۔ اخبار میں دیگر خبروں کے ساتھ ساتھ ماحولیات کے تحفظ پر بھی بہت سی خبریں شائع ہوئی تھیں۔

اتنے میں دیکھتا کیا ہوں کہ میری دس برس کی بیٹی عالیہ نے مجھے اپنی ڈرائنگ لاکر دکھائی جس میں ایک درخت پر مختلف قسم کے پرندے بیٹھے ہوئے تھے۔ نیچے لکھا تھا "درخت مت کاٹیے، یہ پرندوں کا گھر ہے۔" میں نے اس کی

ڈرائنگ کی تعریف کی اور وہ خوشی سے جھوم اُٹھی۔

تھوڑی دیر بعد میرے آٹھ سال کے بیٹے عامر نے بھی اپنی ڈرائنگ دکھائی۔ وہ بھلا پیچھے کیوں کر رہ سکتا تھا۔ اُس نے پانی کی لہروں پر تیرتی ہوئی ایک رنگین مچھلی بنائی تھی۔ اس نے ڈرائنگ کرے یون کلر سے بنائی تھی اور لکھا تھا کہ پانی مت بہاؤ۔ پانی ہی زندگی ہے۔ میں نے عامر کی پیٹھ تھپتھپائی اور شاباشی دی۔

میری بیگم نے کہا، ''آج ہم ان بچوں کو کہیں سیر کرانے لے چلتے ہیں۔ کورونا وائرس کی وجہ سے لاک ڈاؤن میں ہم سب گھر میں بالکل قید ہو کر رہ گئے ہیں۔''

دِلّی میں کورونا وائرس کی جب سے دوسری لہر آئی تھی، اپریل، مئی کے مہینے تو بالکل پریشان حالی میں گزرے تھے۔ آئے دن اخباروں میں انسانوں کی اموات کی خبریں چھپ رہی تھیں۔ ''اب ان بچوں کو عالمی یوم ماحولیات کے موقعے پر کہیں سیر کرانے کے لیے ضرور لے جانا چاہیے۔'' میری بیگم چونکہ پرائمری اسکول کی ٹیچر ہیں۔ اس لیے انھیں بچوں کی ان سب چھوٹی چھوٹی باتوں کا بہت خیال رہتا ہے۔

''ہاں!''

میں نے کہا، ''جب سے لاک ڈاؤن ختم ہوا ہے، ہم کہیں گئے بھی نہیں، لیکن شہر میں پارک اور دوسرے عوامی مقامات پر اب بھی پابندی لگی ہوئی ہے۔ ہم جائیں تو جائیں کہاں؟''

''جنگل کی سیر کر آتے ہیں۔'' بیگم نے کہا تو میں بھی راضی ہو گیا۔ کیوں کہ جنگل میں سماجی فاصلہ بھی برقرار رہ سکتا ہے۔

ہم سب نے جلدی جلدی ناشتہ کیا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر کچھ خشک میوے اور ٹھنڈے پانی کی بوتلیں لیں اور گھر سے نکل پڑے۔ ہمارے گھر سے موٹر کار سے دس منٹ کا راستہ طے کرنے کے بعد جنوبی دِلّی کا اراولی پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

جنگل کے گیٹ پر پہریدار نے گڈ مارننگ کہہ کر ہمارا استقبال کیا۔ گیٹ سے داخل ہوتے ہی چند قدموں پر دوراہا تھا۔ ہم نے ایک منٹ کے لیے رک کر اپنے ماسک ہٹائے اور سوچا کہ جھیل میں ہنس بطخیں اور مرغابیاں دیکھنے جانا ہے یا لال کوٹ کے قلعے کے کھنڈروں کی طرف جانا ہے۔ اُس کے بعد ہم نے جھیل کے راستے کو چھوڑ کر سیدھے راستے پر چلنا شروع کر دیا۔ ڈھلان پر قدم جما کر ہم آگے بڑھنے لگے۔ ہمارے دونوں اطراف کے بانس کی نوکیلی پتّیوں والے درخت کچھ دور تک دکھائی دیتے رہے۔

کچھ دیر نشیبی زمین پر چلنے کے بعد حبس ختم ہو گیا اور میوٗر پہاڑیاں اور اس کی چٹانیں دکھائی دینے لگیں۔ یہ راستہ ختم ہوا تو ہم خاردار جھاڑیوں سے گزرنے لگے۔ وہاں راہ داری کے ساتھ ساتھ کچھ فاصلے پر مٹّی کے برتنوں میں پانی رکھا تھا اور لوگوں نے رات کی بچی ہوئی سوکھی روٹی کے ٹکڑے ڈال دیے تھے۔

ہم وہاں کچھ دیر کے لیے رُک گئے۔ بچوں کے دریافت کرنے پر میں نے اُنھیں بتایا ''یہاں سیار آتے ہیں، نیولے بھی آتے ہیں، جنگل میں لوگ روزانہ سیر کو آنے لگے ہیں۔ اس لیے اب چھوٹے جانوروں کو شکار نہیں ملتے ہیں۔ وہ انسانوں کے قدموں کی آہٹ سن کر بھاگ جاتے ہیں۔ اس لیے اب نیولے، سیار اور مور وغیرہ کے کھانے کے لیے لوگ اپنے گھروں سے اناج لا کر ڈال جاتے ہیں۔ انھیں کھا کر ہی یہ سب زندہ رہتے ہیں۔''

میری بات سنتے ہی عالیہ نے اپنا ایک بسکٹ توڑ کر وہاں ڈال دیا۔ عامر نے بھی اپنی ایک ٹافی ڈال دی۔ اُس پر عالیہ ہنستی ہوئی بولی ''ڈیڈی کیا وہ ٹافی بھی کھاتے ہیں۔'' میری

بیگم نے اُنھیں سمجھایا۔ ''وہ ٹافی نہیں کھانا جانتے ہیں۔ لیکن عامر کی ٹافی چینٹیاں آ کر کھا جائیں گی۔ چلو! عامر کو چینٹیاں دعائیں دیں گی۔''

ہم وہاں سے آگے بڑھے تو دیکھا کہ واقعی ایک بھوکا سیار آ کر جھٹ جھٹ بسکٹ کھانے لگا۔ جیسے ہی اس کی نظر ہم پر پڑی، وہ فوراً وہاں سے بھاگ کر جھاڑیوں میں چھپ گیا۔

یہ جنگلی جانور ہیں، انسانوں سے گھبراتے ہیں۔

''ممی اگر یہاں شیر آ گیا تو وہ تو ہم کو کھا جائے گا۔''

''نہیں بیٹا۔'' اس کی ممی نے بتایا، ''اس جنگل میں شیر نہیں پائے جاتے ہیں''۔

عامر نے اپنی خواہش ظاہر کی۔ ''مجھے تو بھالو بہت پسند ہے۔ ممی میں تو بھالو دیکھوں گا۔'' اس کی ممی نے عامر کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''بھالو کو کھانے کے لیے یہاں شہد کہاں سے ملے گا۔ بھالو بہت گھنے جنگلوں میں پائے جاتے ہیں، جہاں پھولوں کے رس چوس کر مکھیاں شہد کے چھتے لگاتی ہیں۔ اس جنگل میں بڑے جانور نہیں ہیں۔'' تبھی عامر کو تتلیاں نظر آ گئیں اور وہ اُنھیں دیکھنے میں مگن ہو گیا۔ راستے دشوار گزار تھے۔ پتھریلے راستے سے ہو کر ہم قلعہ کے اوپر پہنچ گئے۔

قلعہ کی اونچی فصیلوں پر تیز ہوا چل رہی تھی۔ آکسیجن سے بھرپور ہوا جب ہمارے پھیپھڑوں میں پہنچی تو ہم اپنی ساری تکان بھول گئے۔ بچے خوشی سے رقص کرنے لگے۔ وہ گول گول گھوم کر خوب لطف لے رہے تھے۔

میری بیگم نے صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے کہا، ''شہر کے اسپتالوں میں انسان آکسیجن کی کمی کی وجہ سے دم توڑ رہا ہے اور یہاں دیکھیے آکسیجن کی کس قدر فراوانی ہے۔''

''آپ صحیح کہہ رہی ہیں۔'' میں نے اُن کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔ ''لیکن ذرا سوچیے۔ یہ صورت حال تو انسانوں کی پیدا کی ہوئی ہے۔ ہم نے اپنی طرز زندگی سے ماحول کو خراب کیا ہے۔ موٹر گاڑیوں کی بھرمار سے فضائی آلودگی پیدا ہوئی ہے۔''

"ہاں! انسان تو ذمے دار ہے ہی۔ مجھے تو لگتا ہے کہ کورونا وائرس بھی جوہری توانائی اور کیمیائی عناصر کے بیجا استعمال کی وجہ سے ہی پیدا ہوا ہے۔" میں نے بات کو ختم کرنے کی غرض سے کہا۔ "ممکن ہے!"

چلئے! اب ہم یہاں سے شہر کا نظارہ کرتے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ اُس بلند قلعے کی دیواروں پر چڑھنے کے بعد دور دور تک ہریالی نظر آرہی تھی اور جہاں آسمان اور زمین کی سرحدیں مل رہی تھیں وہاں کنکریٹ کی بلند و بالا عمارتیں ایک قطار میں کھڑی دکھائی دے رہی تھیں۔ ایسا دلفریب منظر شہر میں دیکھنے کو نہیں ملتا۔ ہم وہاں سے دوسری طرف بڑھ گئے۔ قلعہ کے اوپر چٹیل میدان تھا۔ پتھروں سے بنا قلعہ زبانِ حال سے محنت و مشقت کی داستان بیان کر رہا تھا۔ اُس زمانے میں نہ سیمنٹ تھا، نہ لوہے کا استعمال ہوتا تھا، نہ کرین تھے اور نہ ہی پتھروں کو کھود کر زمین سے نکالنے والے ایکسکویٹر گاڑیاں۔ قلعہ کے چاروں اطراف سے چٹانوں کو توڑ کر پتھر اکٹھے کیے جاتے تھے اور جو گڑھے رہ جاتے تھے وہ کھائی بنا دیے جاتے تھے اور اُن میں پانی بھرا رہتا تھا جس سے دشمن قلعے کی دیواروں پر چڑھائی نہ کر سکے۔ گھوڑے، ہاتھی اور بیل گاڑیاں ہی سامان ڈھونے اور سواری کے کام آتے تھے۔

قلعہ سے اُترنے کے بعد ہم ہموار زمین پر آ گئے۔ یہ سرزمین سرسبز و شاداب تھی۔ اس کے کنارے کنارے ایک چوڑا سا نالہ بہتا ہے جس میں سال بھر پانی رہتا ہے۔ اس کی وجہ سے یہاں پرندے بہت آتے ہیں۔

عالیہ اور عامر طوطے، مینا اور فاختوں کو دیکھ کر خوشی سے تالیاں بجانے لگے۔ ایک جگہ پر بہت سارے باجرے، جوار اور مکئی کے دانے پڑے تھے جنھیں سارے پرندے جلدی جلدی چگنے میں مگن تھے۔ کوئی اُن کے نزدیک سے دوڑتا ہوا گزر جاتا تو وہ سب اُڑ کے آس پاس کے پیڑوں پر بیٹھ جاتے اور خطرہ ٹلتے ہی پھر دانے چگنے میں مصروف ہو جاتے تھے۔ اِکا دُکا کوے بھی وہاں کائیں کائیں کر رہے تھے۔

کچھ دور چلنے کے بعد ہمیں اُس جنگل میں نیل گائیں اور بندر بھی مل گئے۔ لوگ اُنھیں روٹی اور کیلے کھلا رہے تھے۔ بندر گڑکیاں دے دے کر نیل گایوں کے حصّے کا کھانا بھی اُن سے جھپٹ کر درختوں پر چڑھ جاتے تھے۔ بندر جتنے شرارتی ہوتے ہیں، نیل گائیں اتنی ہی سیدھی ہوتی ہیں۔ نیل گایوں کی مقوی غذا گھاس ہوتی ہے۔ وہ اُن ہی پر گذارہ کر لیتی ہیں۔

ہم اب تک دو تین گھنٹے کی سیر کر چکے تھے۔ عالیہ اور عامر تھک کر نڈھال ہو گئے تھے۔ پھر ہم ایک صاف ستھری گھاس والی جگہ پر بیٹھ کر کچھ دیر تک آرام سے اونچے اونچے درختوں کا نظارہ کرتے رہے۔ اس دوران ساتھ میں لائے ہوئے خشک میوے اور بسکٹ کھا کر اپنی بھوک مٹائی اور بوتلوں کا ٹھنڈا پانی پی کر اپنی پیاس بُجھائی۔

کچھ کھانے پینے کے بعد جب اُن کی تکان دور ہو گئی اور ہم سب خود کو تروتازہ محسوس کرنے لگے تو ہم نے وہاں سے واپسی کا ارادہ کیا۔ میری بیگم بھی فیس ماسک لگا کر چلنے کو تیار ہو گئیں۔

تبھی ہم وہاں سے شارٹ کٹ لے کر پگڈنڈی والے راستے سے گھر کی طرف چل دیے۔

بچو! اس طرح ہم نے عالمی یومِ ماحولیات منایا۔

■

Dr. Perwaiz Shaharyar
Flat No.4/48, NCERT Campus
Shri Aurobindo Marg
New Delhi- 110016
Mob.: 9910782964
Email: drspahmad@gmail.com

کہانی

پہلی درس گاہ

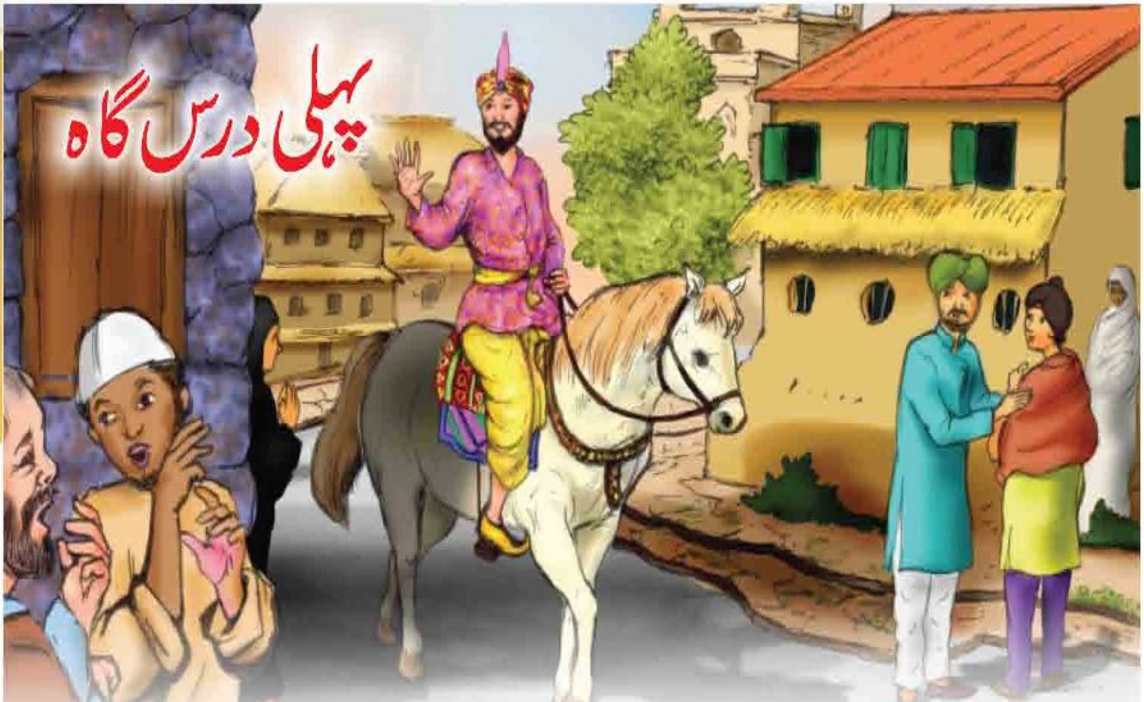

سلطنت خرخانستان کا سلطان عرفان عالم باہمت باصلاحیت اور رحم دل حکمراں تھا وہ اپنے شب و روز کے ایک پل کو بھی بیکار ضائع نہیں ہونے دیتا تھا۔ تساہل، لاپرواہی اور کاہلی اس کی گھٹی میں نہیں تھی۔ ہر دوسرے تیسرے دن دربار لگا کر وزیروں اور درباریوں کا اجلاس منعقد کر کے شہروں اور قصبوں میں آئے دن ہونے والی ڈاکہ زنی، چوریوں اور قتل وخون کی واردات کی تفصیل سماعت کرتا۔ ان واردات پر قابو پانے، مجرموں کو حراست میں لے کر انہیں سزائیں دینے، معصوم رعایا کی جان و مال کی حفاظت کرنے کے اقدامات پر زور دیتا۔ وزیروں، درباریوں اور سپہ سالاروں کی جانب سے پیش کردہ تجاویز اور مشوروں پر غور کرتا تو کبھی دفتروں اور سرکاری محکموں میں ہو رہی لوٹ مار اور رشوت ستانی کا مشاہدہ کرنے، رشوت خور اور بے ایمان ملازمین کو رنگے ہاتھوں پکڑنے کے لیے سرکاری دفتروں میں اچانک پہنچ جاتا۔ علاوہ ازیں سپاہیوں اور جنگی گھوڑوں کی تربیت گاہ پہنچ کر وہاں کا جائزہ لیتا۔ سلطان

منظور وقار

منظور وقار کا تعلق گلبرگہ کرناٹک سے ہے۔ انھوں نے سیاسیات سے ایم کی تعلیم حاصل کی ہے۔ مختلف رسائل وجرائد میں ان کی کہانیاں چھپتی رہی ہیں۔ بنیادی طور پر طنز و مزاح نگار ہیں۔ ہنسنا منع ہے، مسکرانا منع ہے ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ 'ورق ورق چہرے' ان کے خاکوں کا مجموعہ ہے۔ بچوں کے لیے انھوں نے بہت سی کہانیاں لکھی ہیں جو کھلونا، امنگ، نرالی دنیا، غبارہ، نور رامپور جیسے رسائل میں چھپ چکی ہیں۔ دور درشن بنگلور اور آل انڈیا ریڈیو گلبرگہ سے بھی ان کی تخلیقات نشر ہوتی رہی ہیں۔

اپنے فرائض پوری لگن، ایمانداری اور محنت سے انجام دیا کرتا تھالہٰذا وہ ہروقت اتنا مصروف رہا کرتا کہ پانچ وقت کی نمازیں ادانہیں کرپاتا۔ دن میں ایک دونمازیں پڑھ لیں تو پڑھ لیں اس سے کبھی کبھی نماز جمعہ بھی چھوٹ جاتی تھی سلطان کی رحم دلی، عوامی خدمات، حکومت اور رعایا کے تئیں اس کی لگن اور محنت سے ریاست کے تمام وزیر درباری اور عام لوگ تو بہت خوش تھے مگر سلطان کی پنج وقتہ نمازوں سے لا پرواہی فرض نمازوں کا مسلسل قضا کرنا چند وزیروں اور درباریوں کو پسند نہیں تھا کیونکہ سلطان کے اکثر وزیر اور درباری نمازوں کے پابند تھے۔ سلطان کے چند وزرائے خاص اور درباریوں نے سلطان کونمازوں کی پابندی کی جانب توجہ بھی دلائی مگر سلطان ان کی باتوں کونظر انداز کرتا رہا۔

سلطان کا ایک ہی لڑکا تھا شہزادہ الطاف عالم وہ سن بلوغ کو پہنچا تو آوارہ لڑکوں اور دوستوں کی صحبت میں پڑ کر شطرنج کھیلنا گھوڑسواری کی شرطیں لگانا مرغ لڑانا، پرندوں کا شکار کرنا حتیٰ کہ جوا اور شراب جیسی بُری عادتوں میں بھی پڑ گیا۔ سلطان کو جب شہزادے کی آوارہ گردی اور بُری عادتوں کا پتہ چلا تو اسکے پیروں تلے زمین کھسکتی ہوئی نظر آئی سلطان شہزادے کو سمجھانے ڈرانے اور بُری حرکتوں سے باز رکھنے کی کوشش کرتا رہا مگر شہزادہ غلط حرکتوں بُری عادتوں اور آوارہ گردی سے باز نہیں آیا چنانچہ سلطان نے شہزادہ کو بُری عادتوں سے چھٹکارہ دلانے اور آواراہ لڑکوں اور دوستوں سے دور رکھنے کے لیے شہر سے پچاس کوس دور ایک دینی درس گاہ میں داخل کر دیا اس درس گاہ کے معلم مولانا عظمت اللہ سخت قسم کے معلم اور عالم دین تھے ان کی درس گاہ میں کئی سر پھرے بے لگام اور آوارہ قسم کے شہزادے اور عام لڑکے اپنی بُری حرکتوں سے توبہ کر کے راہ راست پر آگئے تھے شہزادہ الطاف عالم بھی اس درس گاہ میں ایک برس کی تربیت اور درس کے بعد با اخلاق فرماں بردار با صلاحیت اور محنتی نوجوان بن کر محل لوٹ آیا۔ شہزادے کو محل آئے ہوئے دو تین ماہ گزرے تھے کہ سلطان نے دیکھا شہزادہ الطاف عالم کی تمام بُری عادتیں اور غلط حرکتیں تو چھوٹ گئیں ہیں مگر وہ پانچ وقت کی نمازوں کی پابندی نہیں کرتا دن میں ایک دونمازیں پڑھ لیں تو پڑھ لیں حتیٰ کہ اس سے نماز جمعہ بھی چھوٹ جاتی تھی ایک دن سلطان نے دینی درس گاہ کے معلم

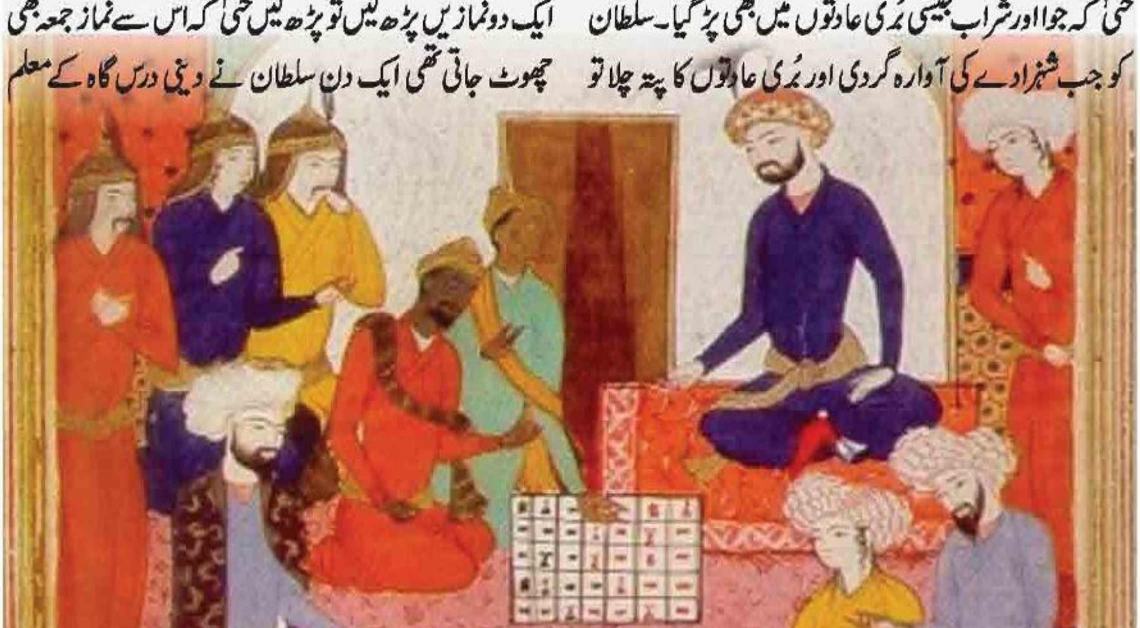

مولانا عظمت اللہ کو محل میں طلب کر کے کہا:
''مولانا! شہزادہ الطاف عالم کی بُری عادتیں اور غلط حرکتیں چھوٹ گئی ہیں، آپ کی تربیت نے اسے ایک بااخلاق باصلاحیت اور محنتی نوجوان تو بنا دیا ہے مگر شہزادہ پانچ وقت کی نمازوں کی پابندی نہیں کرتا'' مولانا عظمت اللہ کو پتا تھا کہ سلطان ایک رحم دل بااخلاق اور محنتی حکمراں تو ہے مگر وہ خود پانچ وقت کی نمازوں کی پابندی نہیں کرتا لہٰذا مولانا عظمت اللہ بولے ''صاحب عالم آپ شہزادہ کو نمازوں کی پابندی کے تعلق سے کچھ بھی نہ کہیں کیونکہ آپ کی باتوں کا اس پر اثر ہونے والا نہیں ہے البتہ آنے والے دو ماہ تک آپ پانچ وقت کی فرض نمازوں کی پابندی کرتے رہیں دو ماہ بعد آپ سے ملاقات کروں گا''
سلطان مولانا کی ہدایت کے مطابق پانچ وقت کی نمازیں پابندی سے ادا کرنے لگا، اس دوران اس نے دیکھا کہ شہزادہ الطاف عالم بھی پانچ وقت کی نمازیں پابندی کے ساتھ ادا کرنے لگا ہے، دو ماہ بعد مولانا عظمت اللہ سلطان سے ملاقات کے لیے محل پہنچے تو مولانا کو دیکھ کر سلطان بے حد خوش ہوا اور پُر جوش انداز میں مولانا کا استقبال کرنے کے بعد انہیں اپنے تخت کے بازو والی نشست پر بٹھا کر بولا ''مولانا آپ کی ہدایت کے مطابق میں پانچ وقت کی نمازیں ادا کرنے لگا تو شہزادہ الطاف عالم بھی پانچ وقت کی نمازیں پابندی کے ساتھ ادا کرنے لگا حالانکہ نمازوں کی پابندی کے تعلق سے میں نے شہزادے کے سامنے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا'' مولانا بولے ''صاحب عالم آپ ایک بااخلاق بلند کردار حکمراں ہوتے ہوئے بھی نمازوں کی پابندی نہیں کرتے تھے لہٰذا شہزادہ الطاف عالم سوچتے تھے کہ میرے والد ایک بااخلاق بلند کردار او رمحنتی حکمراں ہوتے ہوئے بھی پانچ وقت کی نمازوں کی پابندی نہیں کرتے تو وہ کیوں نمازوں کی پابندی کرے جس طرح آپ کی نظروں میں فرض نمازوں کی اہمیت نہیں تھی اس طرح شہزادہ کی نظروں میں بھی فرض نمازوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی پھر جب شہزادے نے دیکھا کہ آپ بلاناغہ پانچ وقت کی نمازیں ادا کرنے لگے ہیں تو شہزادہ الطاف عالم بھی نمازوں کی پابندی کرنے لگے'' مولانا نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''صاحب عالم لڑکوں کی نظر والد کی ہر حرکت اور ہر عمل پر ہوتی ہے لڑکیاں اپنی والدہ کے اوصاف اپناتی ہیں گھر بچوں کی پہلی درس گاہ ہوتا ہے۔'' مولانا کی بات پوری ہوئی تو سلطان کی نظریں جھک گئیں، بولا ''مولانا میں بے حد شرمندہ ہوں، حکومت کے کاموں اور فرائض میں مصروف رہ کر فرض نمازوں سے لاپرواہی کر رہا تھا، مجھ سے بہت بڑی غلطی سرزد ہو رہی تھی، آپ نے نہ صرف مجھے پانچ وقت کی نمازوں کا پابند بنا دیا بلکہ شہزادہ الطاف عالم کو بھی نماز کا پابند بنا دیا۔ عام انسان ہوں کہ حکمراں ہر مسلمان پر نماز فرض ہے نماز جنت کی کنجی ہے یہ بات میں بھول گیا تھا، آج کے بعد تا حیات پانچ وقت کی نمازیں پابندی سے ادا کرتا رہوں گا۔''
سلطان مولانا کو گلے لگا کر ان کے ہاتھ میں سونے کی اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلی تھماتے ہوئے بولا ''مولانا ان اشرفیوں کو معاوضہ نہیں بلکہ میری جانب سے عطا کردہ ایک پُر خلوص تحفہ سمجھ کر رکھ لیں'' مولانا عظمت اللہ نے اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلی قبول کرتے ہوئے جھک کر سلطان کا شکریہ ادا کیا اس منظر کو دیکھ کر دربار میں موجود وزیروں، درباریوں اور سپاہیوں کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔!!!

■

Manzoor Viqar
Yadulla Colony
Gulbarga -585104 (Karnataka)
Mob.: 9731428416
Email.: classicdtp1@gmail.com

آزاد مٹھو

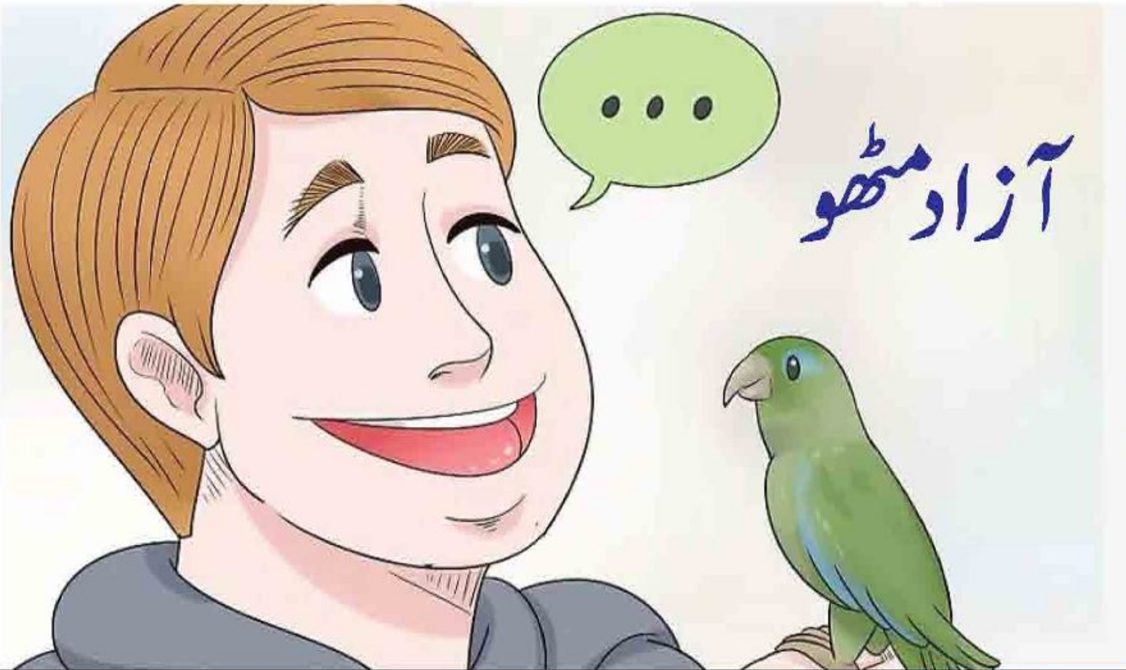

انور مرزا

انور مرزا ممبئی میں رہائش پذیر ہیں۔ افسانے اور اسکرپٹ بھی لکھتے ہیں۔ بچوں کے ادیب و شاعر کی حیثیت سے ان کی شناخت ہے۔ انھوں نے بچوں کے لیے مختلف رسائل و جرائد میں بہت سی کہانیاں لکھی ہیں لیکن ان کی اصل پہچان فلم اسکرپٹ رائٹر کی ہے۔

'فرمان... فرمان...!'

'اٹھّو... اٹھّو... سورج سر پر آ گیا۔

'کب تک سوتے رہو گے؟'

'اسکول نہیں جاؤ گے؟'

مٹھّو نے چلّا چلّا کر کمرہ سر پر اٹھا رکھا تھا۔

فرمان نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں۔

منظر صاف ہوا تو فرمان نے دیکھا۔

'آزاد' بڑی آزادی سے کمرے میں یہاں وہاں اڑ رہا تھا۔

ہاں! 'آزاد' نام تھا اس کے پیارے طوطے کا۔

مگر وہ بس نام ہی کا آزاد تھا۔ رہتا تو صبح و شام پنجرے میں ہی تھا لیکن اِس وقت... وہ اڑ رہا تھا...!

فرمان ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔

آزاد کو پنجرے کے باہر دیکھ کر حیران رہ گیا۔

'ارے آزاد...! تم اپنے پنجرے کے باہر کیسے آ گئے؟'

'اب مَیں سچ مچ آزاد ہوں، فرمان۔

تم نے سرکاری فرمان نہیں سنا؟

اب پرندے آزاد رہیں گے اور انسان پنجروں میں رہیں گے۔

'کیا...؟' فرمان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

'یہ تم کیا کہہ رہے ہو مٹھّو؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے!'

'کیوں نہیں ہو سکتا؟ ایسا ہو چکا ہے...!

میرا پنجرہ اب تمہارا پنجرہ ہے۔

تم اِس کمرے سے باہر نہیں جاسکتے۔

سمجھے... میرے پیارے مٹھو فرمان!'

'کیا...؟' فرمان مارے حیرت کے پلنگ سے گر گیا۔

'ہاں!'... مٹھو چہکتا، جھومتا اڑنے لگا۔

'نانا... نانا... نارے... نارے... نا...!'

خوشی سے ناچتا، گاتا مٹھو اُڑتا ہوا کھڑکی سے باہر نکل گیا۔

فرمان حیرت اور صدمے سے چلّایا۔

'آزاد... آزاد... میرے پیارے مٹھو...!'

فرمان دوڑ کر کھڑکی کے پاس گیا۔

دیکھا تو مٹھو کھڑکی کے سامنے ہی اڑتے ہوئے گول گول چکّر کاٹ رہا تھا...

فرمان کو منہ چڑھاتے ہوئے خوشی سے جھومتا ہوا گنگنا رہا تھا۔

'تُنک تنک تُن... تُنک تنک تُن... تارا... را...'

فرمان کو یاد آیا کہ اس کا بڑا بھائی ارمان اکثر اپنے میوزک سِسٹم پر اسی قسم کے نغمے تیز آواز میں سُنا کرتا تھا اور خود بھی گایا کرتا تھا۔

روزانہ سن سن کر فرمان کے چہیتے طوطے آزاد نے بھی ان نغموں کے بعض الفاظ رٹ لیے تھے... آزاد جب یہ الفاظ دہراتا تو گھر کے افراد خوش بھی ہوتے اور حیران بھی۔

آزاد میں سیکھنے سمجھنے کی یہ خوبی دیکھ کر فرمان کے دماغ میں ایک ترکیب آئی تھی کہ کیوں نہ مٹھو کو اچھی اچھی باتیں سِکھائی جائیں جس سے گھر اور اسکول کے دوستوں میں فرمان کا نام ہو۔

فرمان نے ایک ایک لفظ رک رک کر بولتے ہوئے اپنے طوطے کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''آزاد...! تم ایک اچھے مِٹھو ہو... سمجھے... صرف اچھی باتیں سیکھو... اچھا اچھا بولو... اچھی باتیں کرنے والوں کو سب پسند کرتے ہیں... ٹھیک ہے...؟

''ٹیں ٹیں!'' آزاد نے دہرایا

فرمان یہ سمجھ کر خوش ہوا کہ مِٹھو ''ٹھیک ہے'' کہہ رہا ہے... پھر دونوں میں ''ٹھیک ہے'' اور ''اچھی بات'' کی تکرار شروع ہوگئی... فرمان مارے خوشی کے پھولا نہیں سما رہا تھا...

تبھی مسجد سے اذان کی آواز آئی...

مسجد فرمان کے گھر کے سامنے ہی تھی... ہر نماز کے وقت جب موذن کی صدا بلند ہوتی تو یوں لگتا جیسے گھر میں ہی اذان ہو رہی ہو...

اس دن ''اللہ اکبر'' کی صدا بلند ہوتے ہی فرمان کی آنکھیں چمک اٹھیں... اس نے مِٹھو سے کہا...

''آزاد بولو اللہ اکبر...!''

''ٹیں ٹیں''

''ٹیں ٹیں نہیں... بولو... اللہ اکبر...!''

''ٹیں ٹیں...''

''اللہ اکبر...!''

''اللہ... اکبر...!''

اور فرمان خوشی سے لوٹ پوٹ ہوگیا تھا...

مگر اب مٹھو نہ صرف پنجرے سے بلکہ گھر سے باہر تھا...

'مٹھو واپس آجاؤ... میرے پیارے مٹھو...'

مٹھو ہنس کر بولا...

'دھنش سے نِکلا بان اور شریر سے نکلے پران کبھی واپس نہیں آتے مہاراج... ہاہاہا...'

'ارے...! تم تو ٹی وی سیریل کے ڈائیلاگ بولنے

لگے...!'

'ہاں . . .! مَیں وہی بولتا ہوں . . . جو سُنتا اور سیکھتا ہوں...'

'لیکن مَیں بھی تو روز تمھیں اچھی اچھی باتیں سِکھاتا ہوں...'

'ہاں! یہ تو سچ ہے... تم نے مجھے ڈھیر ساری اچھی باتیں سِکھائی ہیں۔ اچھا ٹھیک ہے۔ مَیں ایک شرط پر واپس آسکتا ہوں۔

'مجھے ہر شرط منظور ہے... بتاؤ!'

'مجھے طوطا پری آم کھلاؤ گے؟'

'طوطا پری آم؟'

'ہاں... مَیں نے ایک سال سے طوطا پری آم کی شکل نہیں دیکھی!'

'اچھا ٹھیک ہے، اندر آؤ!'

''پرومس؟'

'ہاں بابا، پرومس!'

مٹھو اُڑتا ہوا اندر چلا آیا...

'یاد رکھنا فرمان... تم نے مجھے سِکھایا تھا۔

کہ اچھے بچّے جو بھی پرومس کرتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں اور جو ایسا نہیں کرتے لوگ ان بچّوں کو جھوٹا کہتے ہیں۔'

'ہاں بابا یاد ہے! مگر آج تم کتنی زیادہ باتیں کر رہے ہو...!'

مٹھو نے ہنس کر اُڑان بھری... اور فرمان کے کندھے پر آبیٹھا... 'لیکن اب مَیں پنجرے میں نہیں رہوں گا۔

'ٹھیک ہے۔ اب تم آزاد ہو۔'

مطلب، سچ مچ آزاد ہو بس۔ خوش...!'

'نہیں... پہلے آم، وہ بھی طوطا پری...'

'ٹھیک ہے، تم یہیں رُکو!'

طوطا اُڑ کر پنجرے کے اوپر بیٹھ گیا۔

فرمان کمرے سے نکل کر دوڑتا ہوا اپنے ڈیڈی کے پاس پہنچا۔

'ڈیڈی! مجھے طوطا پری آم چاہیے... ابھی!'

'ارے! تمھیں کیا ہوگیا؟ نہ دعا... نہ سلام... صبح صبح... طوطا پری آم؟'

'ہاں ڈیڈی! مگر مجھے نہیں... میرے مٹھو کو چاہیے۔ آج صبح سے وہ انسانوں کی طرح باتیں کر رہا ہے'

'طوطے تو انسانوں کی طرح باتیں کرتے ہی ہیں...'

'مگر ڈیڈی! اس کی باتیں سائنس ٹیچر کے سبق جیسی ہیں...'

ڈیڈی ہنسنے لگے... 'اچھا...!'

'ہاں! وہ کہہ رہا تھا اب پرندے نہیں، انسان پنجرے میں رہیں گے!'

اخبار پڑھتے ہوئے ڈیڈی اچانک سنجیدہ ہوگئے۔

'ہاں! ایک طرح سے دیکھا جائے تو یہ بات غلط بھی نہیں!'

'کیا؟ آپ بھی مٹھو کی ہاں میں ہاں مِلا رہے ہیں؟'

'ہاں! کیونکہ پوری دنیا میں ایک ایسی وبا پھوٹ پڑی ہے جو پلک جھپکتے میں ایک سے دوسرے انسان میں منتقل ہو جاتی ہے... ہم دنیا والوں نے بھلے ہی چاند ستاروں پر جھنڈے گاڑ دیے ہوں... مگر خود اپنی زمین پر اِس بیماری کا کوئی علاج ابھی تک نہیں دریافت کر سکے۔'

'پھر اب کیا ہوگا...؟'

'ہوگا یہ کہ اِس وبا سے بچنے کے لیے ہر انسان کو اپنے اپنے گھروں میں اور ایک دوسرے سے دور محتاط فاصلے پر رہنا ہوگا... سرکاری اعلان ہو چکا ہے۔'

'تو پھر، میرے اسکول کا کیا ہوگا؟'

'اسکول بند ہو چکے ہیں۔ کب کھُلیں گے پتہ نہیں!'

'مگر میرے تو ایگزام ہونے والے ہیں؟'

'اب نہیں ہوں گے تم پاس ہو چکے ہو...!'

فرمان حیرت اور خوشی سے اُچھل پڑتا ہے...

'کیا...؟ مَیں پاس ہو چکا ہوں!

مطلب ایگزام دیئے بغیر ہی؟'

'ہاں!'

'ارے واہ...! ہُرّے...!

'اب تو مَیں اسکول کھُلنے تک خوب کرکٹ کھیلوں گا...'

'تم کرکٹ نہیں کھیل سکتے۔'

'کیوں...؟'

'کیونکہ تم گھر سے باہر نہیں جا سکتے۔'

'ارے ہاں! مَیں تو بھول ہی گیا تھا۔'

'اب یاد رکھنا! جاؤ فریج سے آم نکال لو!'

'اوہ شکریہ ڈیڈی! تھینک یو۔'

فرمان آم نکال کر دوڑتا ہوا اپنے کمرے میں آیا۔

'یہ لو مٹھو، تمھارا آم!'

'ایسے نہیں... آم کو اچھی طرح صاف پانی سے دھو کر کاٹ کر پلیٹ میں سجا کر لاؤ!'

فرمان حیران رہ گیا 'کیا...؟'

'ہاں... اب تمھارا نہیں... میرا حکم چلے گا۔

پتہ ہے! تم سب مجھے کتنا پریشان کرتے تھے۔ جب مَیں سونا چاہتا تھا۔ تب تم سب مجھے آوازیں دے کر جگا دیتے تھے۔ تمھارا بھائی تیز آواز میں پاپ میوزک سننے لگتا تھا...

اور جب مَیں کھیلنا چاہتا تھا، باتیں کرنا چاہتا تھا، تب میرے پنجرے پر چادر ڈال کر، دن میں ہی اندھیرا کر دیا جاتا تھا، نہ میرے برتن میں اتنا پانی رہتا ہے کہ مَیں نہا سکوں... نہ ہی کوئی جھولا ہے۔ نہ کوئی میرا ساتھی۔

'اوہ سوری مٹھّو'... فرمان کو افسوس ہوا۔

فرمان نے آم کاٹ کر پلیٹ میں سجا کر مٹھّو کے سامنے رکھ دیا۔

مٹھّو خوش ہو کر آم کھاتے ہوئے بولا 'شکریہ فرمان! تم نے اپنا پرومس پورا کیا۔ اب تم اچھے مٹھّو کی طرح پنجرے میں جاؤ'

'کیا؟' فرمان حیران رہ گیا۔

'نہیں! نہیں! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'

'مَیں نے کہا تھا نا۔ اب تم مٹھّو ہو۔ چلو جلدی۔'

'پلیز ایسا مت کرو مٹھو۔ تم تو میرے دوست ہو۔!

'دوست اور دوستی گئی پنجرے میں۔ چلو۔ چلو!'

فرمان بے بسی سے پنجرے کے پاس گیا۔ دیکھا کہ پنجرہ واقعی کافی بڑا ہے۔ فرمان مجبوراً پنجرے کے اندر چلا گیا۔

مٹھو ہنسنے لگا۔

'اب مَیں پنجرے پر چادر ڈال رہا ہوں تاکہ تم مجھے ڈسٹرب نہ کرو، سمجھے میرے پیارے مٹھو فرمان!'

مٹھو نے اپنے پیر سے ایک ڈوری کھینچی۔

ایک چادر پنجرے پر آ گری۔

پنجرے کے اندر اندھیرا ہو گیا۔

فرمان خوف سے چلّانے لگا 'نہیں... نہیں...!'

فرمان تیزی سے ہاتھ پیر مارنے لگا...

'نہیں نہیں! مجھے اس پنجرے سے باہر نکالو'

اور اِسی طرح خوف سے چلّاتے ہوئے فرمان کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دیکھا کہ وہ اپنے بستر پر لیٹا ہوا ہے۔

'اِس کا مطلب؟ مطلب... مَیں خواب دیکھ رہا تھا؟'

فرمان ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا... اپنے آس پاس دیکھنے لگا۔

مٹھو کے پنجرے پر نظر پڑی۔

مٹھو پنجرے کے اندر دِکھائی دیا۔

فرمان اُٹھ کر پنجرے کے پاس گیا۔

مٹھو اُسے دیکھ کر بولا...

'فرمان... فرمان...!'

فرمان کو خواب کی باتیں یاد آئیں۔

وہ جذباتی ہو گیا... اور مٹھو کو دیکھ کر فرمان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

'آزاد...! میرے پیارے مٹھو...!!'

فرمان نے پنجرے کا دروازہ کھولا...

مٹھو تیزی سے باہر نکل آیا اور اڑ کر فرمان کے ہاتھ پر بیٹھ گیا۔ فرمان نے بڑی محبت سے مٹھو کو دیکھا۔

'آزاد! پتہ ہے آج مَیں نے خواب میں تمھیں دیکھا۔ تم بہت اچھے ہو۔ اب میں تمھیں اِس پنجرے میں نہیں رہنے دوں گا... آج سے تم سچ مچ آزاد ہو، جہاں چاہو جا سکتے ہو۔ اپنی دنیا میں، اپنے جیسے پرندوں میں۔ شاید وہاں تمھیں کچھ نئے اور اچھے دوست مِل جائیں... جاؤ میرے پیارے مٹھو...!'

فرمان مٹھو کو لے کر کھڑکی کے پاس گیا۔

اور مٹھو کو باہر اڑا دیا۔

مٹھو کھڑکی کے باہر کھلی ہوا میں اڑنے لگا۔

فرمان کو دیکھتے ہوئے گول گول چکر کاٹنے لگا۔

فرمان کو ایسا لگا جیسے مٹھو خوشی سے جھومتا ہوا ناچ رہا ہو... گا رہا ہو۔

'ٹنک ٹنک ٹن... ٹنک ٹنک ٹن... تارا... را...'

مٹھو کو تھمس اپ کرتے ہوئے فرمان نے کہا۔

'کبھی کبھی ملنے آنا دوست...! پرومس...؟'

مٹھو 'پرومس... پرومس' کہتا ہوا۔

کھلے آسمان کی طرف اُڑ گیا۔

فرمان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔

آنسوؤں سے بھیگی ہوئی فرمان کی آنکھوں میں...

اڑتے ہوئے مٹھو کا عکس آسمان کی طرف بڑھتا نظر آیا!

■

Anwar Mirza
Nooh - 54, Room No. 903
Opp. Kokan Bank Near Asmita House
Station Road,
Mira Road - 401107 Thane, (Maharashtra)
Mob.: 90294 49173, 99204 25208

ایک سچی کہانی

مبین نذیر

مبین نذیر کا تعلق مالیگاؤں مہاراشٹر سے ہے۔ وہیں کے ایک کالج میں اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان کے افسانے، کہانیاں، مضامین، مقالے ملک کے مختلف اخبارات ورسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ متعدد قومی اور بین الاقوامی سمینار اور ویبینار میں مقالات پیش کرچکے ہیں۔ ماہنامہ 'بیباک' مالیگاؤں کی مجلس ادارت کے اعزازی رکن ہیں۔ بچوں کے لیے ان کی نگارشات مختلف اخبارات اور رسائل میں چھپتی رہتی ہیں۔

ارمان ارسلان اور عرفان تینوں بھائیوں نے منصوبہ بنایا کہ آج دادا جان سے کوئی نئی کہانی سنیں گے۔ اس لیے رات میں کھانے سے فارغ ہوتے ہی تینوں نے دادا جان کو گھیر لیا ارمان بولا۔

"دادا جان آپ باتیں تو ہر وقت نئی نئی بتاتے ہیں لیکن کہانیاں نئی نہیں سناتے۔"

دادا مسکرائے تو عرفان نے کہنا شروع کیا، "دادا جی! آج ہم کو کوئی اچھی سی نئی والی کہانی سنائیں، آج ہم پرانی کہانیاں نہیں سنیں گے۔"

ارسلان نے بھی ضد کی.. ایسا لگتا تھا تینوں نے پہلے سے ہی من بنالیا تھا۔ دادا جی نے ان کے ارادوں کو بھانپ لیا..

"ٹھیک ہے۔ آج ایک نئی کہانی!"

یہ کہہ کر دادا جی نے آنکھیں موند لیں اور گردن نیچی کرلی.. جیسے ماضی کی یادوں میں کھو گئے ہوں؟

"دادا جی جلدی" عرفان نے کہا...

"گڑبڑ مت کرو۔" ارمان نے سمجھایا..

اس سے پہلے کہ کوئی اور کچھ کہتا... دادا جی نے آنکھیں کھولیں، سر اٹھایا اور کہنا شروع کیا... تینوں سنبھل کر بیٹھ گئے اور غور سے سننے لگے...

"یہ کہانی آٹھویں جماعت کے ایک طالب علم کی ہے، جو پڑھائی میں پیچھے لیکن شرارت اور کھیل کود میں سب سے

آگے رہتا تھا۔ اساتذہ اسے سمجھاتے لیکن وہ پڑھائی میں بالکل دلچسپی نہیں لیتا تھا۔ کبھی کبھار ڈرائنگ کے پریڈ میں سنجیدگی کا مظاہرہ کرتا ورنہ ہر پیریڈ میں اساتذہ کو تنگ کیا کرتا تھا۔ اسی دوران اس کے اسکول میں ایک نئے ٹیچر کا تقرر ہوا جو ڈرائنگ کے استاد تھے۔ نئے ٹیچر نے آنے کے بعد اپنا تعارف کرایا اور بالترتیب بچوں سے بھی سنا۔ جب اس بچے کا نمبر آیا جس کا نام صابر تھا، جو بہت دیر سے اپنی جگہ پر کھڑا تھا لیکن کچھ کہہ نہیں رہا تھا تو ٹیچر خود چل کر اس بچے کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ

”اتنی دیر ہوگئی آپ نے اب تک اپنا تعارف کیوں نہیں کرایا۔ حالانکہ آپ کلاس کے سب سے بڑے بچے ہو!“ اس بچے نے کوئی جواب نہیں دیا، بس خاموش کھڑا رہا۔

ٹیچر نے اسے بٹھا دیا اور اپنے کام میں مشغول ہوگئے۔ جب گھنٹہ ختم ہوا تو ٹیچر نے اس کو چھٹی کے بعد ہیڈ ماسٹر صاحب کے آفس میں آنے کے لیے کہا اور باہر نکل گئے۔

صابر چھٹی کے بعد جب آفس میں گیا تو عابد سر کو منتظر پایا۔ سر نے اسے اپنے پاس بٹھالیا، اس کے سر اور پیٹھ پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔ اس سے بہت سارے سوالات کیے۔ اس کے والدین، گھر، صحت، پڑھائی، شوق اور کھیل کود کے متعلق۔ باتیں ختم ہونے کے بعد اسے اسکول کے گیٹ تک چھوڑنے کے لیے بھی آئے۔ عابد سر کا یہ رویہ صابر کے لیے بالکل نیا تھا۔ آج تک کسی ٹیچر نے اس طرح اس سے بات نہیں کی تھی اور نہ ہی اس طرح ہمدردی اور محبت کا اظہار کیا تھا بلکہ اکثر اساتذہ اس کو ڈانٹا کرتے تھے اور اس کی عمر اور قد وقامت پر طنز کیا کرتے تھے۔

اس ملاقات کے بعد وہ عابد سر کے پریڈ کا انتظار کرنے لگا۔ جب بھی ان کا پیریڈ ہوتا صابر خوشی سے پھولے نہیں سماتا تھا۔ ان کے دیے ہوئے تمام کام دل لگا کر مکمل کرتا تھا۔ جب ان کو اپنی ڈرائنگ دکھاتا تو وہ نہ صرف اس کو شاباشی دیتے بلکہ پوری کلاس کو اس کی ڈرائنگ دکھاتے اور دوسرے بچوں کو بھی اسی طرح بنانے کی ترغیب دیتے۔ صابر دوسرے ڈرائنگ ٹیچرز کو بھی اپنی ڈرائنگ دکھاتا تھا لیکن وہ ایک نظر ڈال کر اس کی کاپی کو رکھ دیا کرتے تھے حالانکہ اس کی ڈرائنگ کلاس کے تمام بچوں سے بہتر ہوا کرتی تھی۔

ایک دن صابر کی حیرت کی انتہا نہ رہی؛ اس نے جیسے ہی اپنی ڈرائنگ بک سر کو دکھائی، انھوں نے صابر کو حیرت سے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور ”ادھر آؤ“ کہہ کر ہیڈ ماسٹر صاحب کے آفس کی طرف چل پڑے۔

اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ وہ خوف زدہ تھا کہ ماضی کی طرح پھر ہیڈ ماسٹر صاحب اسے ڈانٹیں گے اور اسکول سے نکالنے کی دھمکی دیں گے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کے آفس میں جا کر عابد سر نے اس کی ڈرائنگ ہیڈ ماسٹر صاحب کے ٹیبل پر رکھ دی۔ ڈرائنگ کو دیکھ کر وہ بھی حیرت زدہ رہ گئے۔ وہ لڑکا جو ہر وقت مستی اور شرارت کیا کرتا تھا؛ اتنی اچھی ڈرائنگ بنا سکتا ہے! ہیڈ ماسٹر صاحب نے بھی صابر کو شاباشی دی۔ صابر کو اپنے کانوں اور آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

ہیڈ ماسٹر صاحب کے حکم پر صابر کی ڈرائنگ کو اسکول کے نقش دیوار پر لگا دیا گیا۔ چھٹی تک ہر ایک صابر کی اس عمدہ ڈرائنگ کو دیکھ چکا تھا۔ پورے اسکول میں صابر کے نام کا ڈنکا بج رہا تھا۔ تمام اساتذہ نے صابر کو مبارکباد دی۔ صابر کی خوشیوں کا تو کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اب وہ ہر وقت ڈرائنگ بنانے میں لگا رہتا۔ اسکول سے آنے کے بعد بھی کھیل کو چھوڑ کر کے ڈرائنگ بنانے میں مشغول رہتا۔ کبھی واٹر کلر سے تو کبھی پیسٹل کلر اور کبھی پینسل سے۔ غرض ہر وقت پینسل اور برش اس

کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ اس کے والدین بھی اس تبدیلی پر حیران مگر خوش تھے۔

کچھ دن بعد شہر کے اسکولوں کے درمیان ڈرائنگ کا مقابلہ ہوا۔ جس میں صابر نے بھی حصہ لیا۔ اس نے عابد سر کی رہنمائی میں خوب اچھی تیاری کی۔ دن رات محنت کرتا رہا۔ اس کی محنت رنگ لائی۔ اسے مقابلے میں اول انعام حاصل ہوا۔ صابر ہیڈ ماسٹر صاحب اور عابد سر کی تصویریں اخبارات میں شائع ہوئیں۔ جسے دیکھ کر صابر اور اس کے والدین بے حد خوش ہوئے۔ اس نے عابد سر کی نگرانی میں اپنا کام جاری رکھا۔ وہ بیرون شہر ڈرائنگ کے مقابلوں میں شرکت کرتا اور انعام کا حق دار قرار پاتا۔ اس کی شہرت آہستہ آہستہ پورے ملک میں پھیل گئی۔ دور دور سے اس کے پاس خط اور فون آنے لگے۔ جس میں اس کی ڈرائنگ کی تعریف کی جاتی تھی، اس کو مبارکباد دی جاتی تھی۔ لوگ اس سے مختلف عنوانات اور موضوعات پر ڈرائنگ بنانے کی فرمائش بھی کرنے لگے۔ اس طریقے سے وہ پورے ملک میں ایک اچھے مصور کی حیثیت سے مشہور ہوگیا۔ اس نے ڈرائنگ کے شعبے میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد عابد سر کے مشورے سے ایک مشہور آرٹسٹ کی شاگردی اختیار کی اور ان کی رہنمائی میں اپنا کام جاری رکھا۔ چند برسوں کی محنت کے بعد وہ ایک مشاق مصور کی حیثیت سے پورے ملک میں مشہور ہوگیا۔ چند برسوں بعد ملک کی سب سے بڑی آرٹ گیلری میں اس کی تصویروں کی نمائش لگائی گئی؛ جہاں بڑے بڑے فنکار اور کلاکار آئے۔ اس کی تصاویر کو خوب پذیرائی ملی۔ اسے کئی تصاویر کے آرڈر بھی ملے۔ ہر وقت برش اور کلر صابر کے ساتھ ہوتا۔ وہ روزانہ نئی نئی تصاویر بناتا۔ اس کا چہرہ اور نام ملک و بیرون ملک مصوری کی علامت بن گیا تھا۔ اس کے باوجود وہ عابد سر کو نہیں بھولا۔ جو سبکدوش ہو چکے تھے۔ وہ ہر مہینے پابندی سے ان کے گھر تحائف، مٹھائیاں اور اپنی کامیابی کی خوش خبری لے کر جاتا۔ صابر سر ہر مرتبہ تحفے اور مٹھائیاں لانے سے منع کرتے، ناراضگی کا اظہار بھی کرتے مگر صابر اپنی محبت سے انھیں منالیتا۔ صابر کی کامیابیوں کی داستان سن کر عابد سر کی باچھیں کھل جاتی تھیں۔

اتنی شہرت حاصل کرنے کے بعد بھی صابر مغرور نہیں ہوا بلکہ اس نے اعتدال کا دامن تھامے رکھا اور اپنے ہی خاندان کی ایک غریب اور یتیم لڑکی سے شادی کرلی اور خوشگوار زندگی گزارنے لگا۔ اس کے تین بچے ہیں، جو شہر کے سب سے بڑے اسکول میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ یہ بچے جب بھی اس سے کہانی کی فرمائش کرتے ہیں تو وہ انھیں ان کے دادا کے پاس بھیج دیتا ہے اور خود ڈرائنگ کلر اور برش میں محو ہو جاتا ہے۔

’’دادا جی ہمارے ابو بھی تو ایسا ہی کرتے ہیں۔‘‘ ارمان بول اٹھا۔

’’ہاں تو کہانی اسی کی سچی کہانی ہے بیٹا یہ! تمھارے والد نے اپنی کامیابیوں پر کبھی بھی غرور اور گھمنڈ نہیں کیا۔ مسلسل محنت کو اپنا شعار بنایا۔ والدین، اساتذہ اور بزرگوں کی خدمت کو اپنی خوش نصیبی سمجھا تب جا کر وہ آج اس مرتبے پر فائز ہے۔ اگر تم بھی زندگی میں کچھ بننا چاہتے ہو تو عاجزی، انکساری، محنت، مستقل مزاجی اور حسنِ اخلاق کو اپناؤ، کامیابی تمھارے قدم چومے گی۔‘‘

■

Dr. Mubeen Nazeer
Daal Wala chowk, Momin Pura 1392
Malegaon - 423203
Distt.: Nasik (Maharashtra)
Mob.: 8983152574

گولو کی سائیکل نوازی

سید اسد تابش

سید اسد تابش کا تعلق مہاراشٹر کے اکولہ ضلع کے قصبہ بارسی ٹاکلی سے ہے۔ وہ پچھلے 20 برسوں سے درس وتدریس سے وابستہ ہیں۔ نثر نگار اور شاعر ہیں۔ بچوں کے لیے انھوں نے بہت سی کہانیاں اور ڈرامے لکھے ہیں۔ مختلف رسائل و جرائد میں ان کی تخلیقات چھپتی رہی ہیں۔

خراماں خراماں سائیکل چلاتے ہوئے جنید میرے سامنے سے گزرے۔ ان کی سائیکل کے رنگس ہولے ہولے گھوم رہے تھے۔ ان کا ڈیل ڈول ہر پیڈل پر جھول جاتا۔ بڑی طمانیت سے سائیکل چلاتا دیکھ، مجھے پندرہ سال پہلے کے جنید (گولو) کی سائیکل سیکھنے اور سائیکل سے گرنے کی باتیں یاد آگئیں۔ ان کے رنگس کے ساتھ میری یادوں کی فلم چلنے لگی۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب سائیکل ہی اکلوتی سواری ہوا کرتی تھی جسے بیٹھ کر خود چلایا جاتا تھا۔ دوسری سواریاں مخصوص گھرانوں اور لوگوں تک محدود تھیں۔ گاؤں میں کسی کسی مدرس کے پاس سائیکل ہوتی جسے وہ بہت صاف ستھری رکھتے۔ کچھ کھیت مزدور اور برف کانڈی (کلفی) بیچنے والے بھی سائیکل پر برف کانڈی کا ڈبہ باندھ کر بیچتے۔ گاؤں، دیہاتوں میں سائیکل کی شان نرالی تھی۔ بچپن میں سائیکل سیکھنے پر ابا، چچا اور دیگر بڑوں کا اصرار ہوتا۔

ایسے ہی ایک دن جنید جو اس وقت گولو کہلاتے تھے کو ابا نے کہہ دیا ”میاں اب سائیکل چلانا سیکھ لو...... بڑے ہو رہے ہو......“

گولو کی سائیکل کا نام سن کر طبیعت مسوس گئی۔ دراصل گولو بھاری بھرکم جسامت کے مالک تھے۔ چلتے تو، توند ایسے

ہلتی جیسے اناج کا بورا، کچھ خالی رہ گیا ہو۔ سائیکل سکھنے کا حکم ملتے ہی پریشان ہوگئے، کیونکہ ابا کا حکم ٹال نہیں سکتے تھے۔ چچا سے اپنی پریشانی کہی تو چچا نے سوچا گولو کے نام سے سائیکل آجانے دو، پھر تو سارا دن میں ہی گھمایا کروں گا... چچا نے ابا سے کہا ''بھائی! آپ سائیکل لے آؤ، میں گولو کو سکھا دوں گا... اگلے ہی دن نئی نویلی سائیکل آگئی۔ گولو کو اسکول کے خالی میدان میں لے جایا گیا...... اسکول کی چھٹیاں چل رہی تھیں۔

گولو کے ساتھ ہم عمر بچے بھی تھے مجیب، صادق اور رازق...... سب گولو کا مذاق اڑا کر وقت گزاری کرنا چاہتے تھے۔ مگر گولو کے چچا ہوتے ہوئے کچھ کہہ نہیں سکتے تھے... پیچھے تینوں دوست باتیں کرتے ہوئے چل رہے تھے۔ ''جب تک سائیکل پر سے کوئی گرتا نہیں، سائیکل سیکھ ہی نہیں سکتا... رضوان نے کہا تو شاہد اور وحید نے تصدیق کی اور اپنے اپنے سابقہ تجربات بھی سنانے لگے۔ گولو سائیکل لوٹتے ہوئے لے جا رہا تھا مگر تینوں دوستوں کی باتوں پر ہی اس کا دھیان ٹکا ہوا تھا... سامنے ڈھلان آئی تو توازن بگڑنے لگا. چچا نے سنبھالا......

اسکول کے میدان میں پہنچتے ہی گولو کی سائیکل سیکھنے کی تعلیم شروع ہوئی۔ چچا نے توازن قائم رکھنے، پیڈل مارنے اور سامنے دیکھتے رہنے کی تاکید کی۔ رضوان، شاہد گولو کو سیٹ پر بٹھا کر سہارا دینے لگے اور وحید پیچھے کے مڈگارڈ کو سنبھالنے لگا. چچا نے ہینڈل پکڑ کر، گولو سے پیڈل چلانے کو کہا۔ مگر گولو دائیں پاؤں سے پیڈل دباتے تو دائیں جانب جھک جاتے اور بائیں جانب چلاتے تو بائیں جانب جھک جاتے۔ سائیکل تو اپنی جگہ سے ایک انچ نہ ہلتی مگر گولو کے انجر پنجر ڈھیلے ہونے لگتے۔ تب تجویز آئی کہ گولو صرف توازن برقرار رکھنے کی مشق کرے وحید پیچھے سے سائیکل ڈھکیلتا رہے گا۔ چچا ہینڈل تھامے ساتھ ساتھ دوڑنے لگے۔ اس تجویز پر عمل کرنے سے یہ ضرور ہوا کہ گولو نے سائیکل کو کچھ آگے بڑھایا مگر چچا کی سانس پھول گئی...... گولو کے پسینے چھوٹ گئے کیونکہ ایک بار وحید نے سائیکل کو زور سے ڈھکیل دیا تھا۔ تھوڑی دیر کے لیے سائیکل سکھانے کی مشق روک دی گئی۔ سب نے درخت کی چھاؤں میں بیٹھ کر پانی پیا۔ دوستوں نے گولو کی جھوٹ موٹ کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا...... تم تو پہلے ہی دن کافی

اچھے سے سائیکل چلا رہے ہو، ہمیں تو پہلے دن ہینڈل پکڑنا بھی نہیں آیا تھا۔ چچا تازہ دم ہوئے تو ان کے دماغ کی بتی جل اٹھی۔ وہ خود نئی سائیکل پر بیٹھ گئے اور گولو کو دکھا کر چلانے لگے...

گویا چچا اپنا شوق پورا کرنے لگے۔ گولو بھی مطمئن تھے کہ بلا ٹلی۔ اسی طرح روز سائیکل سکھانے کی مشق ہونے لگی۔ کچھ کچھ چیزیں تو گولو سیکھ رہے تھے مگر احتیاط کا یہ عالم تھا کہ سائیکل چلاتے ہوئے گرنے کی نوبت نہ آئے. گولو کو گرنے سے بہت ڈر لگتا تھا۔ رضوان کا جملہ ہر وقت دماغ میں گونجتا کہ

''سائیکل سیکھنے کے لیے گرنا اور زخمی ہونا لازمی جز ہے''

اللہ اللہ کر کے گولو سائیکل پر توازن قائم رکھنے، ڈولتے ڈالتے پیڈل مارنے اور سائیکل کو بروقت روکنے میں ماہر ہو ہی گئے. یہ الگ بات کہ بریک کرنے کے فوری عمل میں ان کے اوسان جواب دیتے تو وہ چلتی سائیکل سے اتر پڑتے اور کسی طرح روک لیتے۔

گولو سائیکل چلاتے ہوئے خود کو چاق و چوبند محسوس کرنے لگے تھے۔ اگر گرنے اور زخمی ہونے کا ڈر نہ ہوتا تو وہ بھیڑ بھاڑ میں بھی سائیکل چلانے لگتے۔ کچھ وزن بھی کم ہو رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں کے مسل بھی تن گئے تھے اور قد بھی نکل آیا تھا۔ گولو دوپہر اور رات کو سائیکل چلانے میں کبھی عار محسوس نہ کرتے. ہاں اگر صبح یا شام جب سڑک پر آنے جانے والوں کا تانتا بندھا رہتا، تو گولو گریز کرتے۔ کچھ بڑے ہوئے تو دوستوں کا احاطہ بھی بڑھ گیا۔

ایک مرتبہ رات کو ایک دوست سے ملنے چلے گئے۔ وہاں کچھ اور دوست جمع ہو گئے۔ وقت کا پتہ ہی نہ چلا۔ گولو جب اپنی سائیکل لے کر دوستوں کی محفل سے اٹھے تو رات کافی ہو رہی تھی۔ سردیوں کی راتیں اور دیہات کا ماحول جہاں لوگ جلدی سو جاتے ہیں۔ رات نو بجے ہی گلیاں سنسان ہو گئیں۔ گولو گھر جا رہے تھے۔ سڑک خالی تھی اس لیے جھومتے ہوئے سائیکل چلائے جا رہے تھے۔ اگلے موڑ پر جو ڈھلان آئی تو سائیکل بے قابو ہو گئی۔ پہلے ایک کتے کی ٹانگ زد میں آئی بعد میں مرغیوں کا ایک کھڑاڑہ (مرغیوں کو رکھنے کا ایک پنجرہ، جسے گھاس پھوس اور مٹی سے چھوپ کر بنایا جاتا ہے) مرغیاں تو چیخ پکار کرتی رہ گئیں۔ مگر کتوں نے پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ گولو تیز تیز سائیکل دوڑانے لگے۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ سائیکل ایک پتھر کی دیوار سے ٹکرا گئی۔ اس سے پہلے کہ سائیکل اور دیوار کی مڈبھیڑ ہو، گولو سائیکل سے کود پڑے، ٹھان جو رکھا تھا......

سائیکل جائے تو جائے پر خود گرنے نہ پائیں

اس شور شرابے سے لوگ گھروں سے باہر آ گئے۔ گولو کو اٹھایا اور باز پرس کرنے لگے۔ گولو میاں صرف اتنا ہی کہہ پائے ''میری......سا...ء......یکل......

پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی...

گولو کو کچھ ہوش نہ رہا. سائیکل کے کل پرزے ڈھونڈے گئے۔ گولو اور سائیکل کے الگ الگ بکھرے کل پرزے ایک بیل گاڑی میں گولو کے گھر پہنچائے گئے......صبح جب گولو کے حواس یکجا ہوئے تو سائیکل کا ہینڈل الگ، دونوں رنگس بغیر اسپوکس کے ٹیرھی، اور چین ٹوٹی ہوئی نظر آئی... گولو مطمئن تھے کہ انھیں کوئی چوٹ نہیں آئی......

اس طرح گولو نے سائیکل سیکھی اور ماشاء اللہ آج بھی اسی پابندی اور احتیاط سے سائیکل چلاتے ہیں۔

■

Syed Asad Tabish
Karamat Khan Colony
Barsi Takli
Distt.: Akola- 444401 (Maharashtra)

ابو طالب انصاری

خوبصورتی

سلون کا مہینہ ہے۔ ہر طرف ہریالی ہی ہریالی ہے۔ زمین پر سبزے کی قالین بچھی ہوئی ہے۔ ہری ہری گھاس پر سورج کی سنہری کرنیں پڑتی ہیں تو ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے موتی بکھیر دیے ہوں۔ درختوں کی پتیاں با لکل صاف ستھری ہیں جیسے کسی نے انہیں دھو دیا ہو، ان پر نئی کونپلیں اگ آئی ہیں۔ تالابوں میں پانی بھر گیا ہے ان میں کھلے ہوئے کنول کے پھول اپنا حسن بکھیر رہے ہیں۔ پہاڑوں پر بادلوں کی تہیں اتر کر آرام کر رہی ہیں۔ پورا جنگل ہرا بھرا ہو گیا ہے۔ بارش کی ہلکی ہلکی پھوار دلوں کو گدگدا رہی ہے۔ پرندے چہچہا رہے ہیں اور خوشی میں ادھر سے ادھر اڑتے پھر رہے ہیں۔ شوخ تتلیاں فطرت کے حسن میں اضافہ کر رہی ہیں اور من چلے بھنورے محبت کے میٹھے راگ گا رہے ہیں۔ ہلکے ہلکے سرمئی رنگ کے بادل اب بھی آسمان پر پھیلے ہوئے ہیں۔ کہیں دور سے کوئل کی کوک بار بار سنائی دے رہی ہے۔ ایسے میں ایک مور کہیں سے گھومتا ہوا اس طرف آ نکلا۔ خوبصورت، تندرست، حسین چہرہ خوبصورت نقش و نگار، سر پر بادشاہ کی طرح کلغی۔ پروں کو پھیلا کر جب وہ رقص کرتا تو پورا ماحول سحر زدہ ہو جاتا، وقت تھم جاتا اور دیکھنے والے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے۔ لیکن رقص کرتے ہوئے جب اس کی نظر اپنے پیروں پر پڑتی تو وہ اداس ہو جاتا کہ کہاں اس کا خوبصورت چہرہ، حسین پر اور کہاں یہ سیاہ بھدے پیر۔ کاش یہ بھی اتنے ہی خوبصورت ہوتے۔ وہ سوچتا کہ میرے یہ سیاہ بدنما پیر میری خوبصورتی میں داغ ہیں۔

سہانے موسم اور خوبصورت ساون کے نظاروں سے لطف اندوز ہوتا وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہا

تھا۔اس کے سامنے ایک گڑھا تھا جو پانی سے بھرا ہوا تھا۔مور اس گڑھے کے پاس پہنچا اور جب اس نے اس میں جھانک کر دیکھا تو اسے اپنا عکس نظر آیا۔ وہ سوچنے لگا کہ میں کتنا اچھا لگتا ہوں، کتنا خوبصورت ہوں؟ ہے کوئی میرے جیسا ؟نہیں کوئی نہیں میں سب سے جدا ہوں۔اپنے ساتھیوں میں ممتاز۔ اسے اپنے اوپر پیار آگیا۔وہ زیر لب مسکرایا اور آہستہ سے اپنے پر کھول دیے ابھی اس نے پر کھولے ہی تھے کہ اس کے اندر کا 'ماہر رقاص' چھپاک سے باہر نکل آیا۔اس کے پیر تھرکنے لگے۔ٹھمک ٹھمک کر اس نے ناچنا شروع کیا اور دیر تک ناچتا رہا۔رقص میں وہ ایسا محو تھا کہ اسے اپنے آس پاس کی بھی بالکل خبر نہیں رہی بلکہ ناچتے ناچتے کسی اور دنیا میں پہنچ گیا۔

اسی اثنا میں ایک اژدہا دھیرے دھیرے رینگتے ہوئے اپنے راستے جا رہا تھا۔اپنی دھن میں مگن مور ناچ رہا تھا ناچتے ناچتے اس نے اس کی دم پر پیر رکھ دیا۔مور کے ناخن اژدہے کے جسم میں چبھ گئے، تکلیف سے بلبلاتے ہوئے اژدہے نے مور کو دھکا دیا۔مور دور جا گرا اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ہوا کیا؟ اچانک وہ خیالوں کی دنیا سے جنگل کی دنیا میں واپس آگیا تھا۔ وہ کراہ کر اٹھا اور جب اسے اژدہے کی پھنکارنے کی آواز سنائی دی اور اسے اپنی طرف تیزی سے آتا ہوا دیکھا تو بات اس کی سمجھ میں آگئی۔ وہ سہم گیا۔اژدہا تیزی سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔مور تیزی سے اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ رہا تھا۔آگے جھاڑیوں کے درمیان 'شارٹ کٹ' راستہ تھا، مور نے سوچا کہ ان جھاڑیوں کے درمیان سے چھلانگ لگا کر دوسری طرف نکل جائے۔مگر جیسے ہی اس نے اڑ کر چھلانگ لگائی اس کے پر جھاڑیوں میں پھنس گئے۔اس نے تیزی سے الجھے پروں کو چھڑانا چاہا مگر وہ اور الجھ گئے۔ اس دوران اژدہا پھنکارتا ہوا تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔اس نے دوبارہ کوشش کی کہ جھاڑیوں سے اپنے پروں کو نکالے مگر ناکام رہا۔اژدہا قریب آچکا تھا۔قریب تھا کہ وہ مور پر حملہ کر کے ڈس لیتا مگر مور زور زور سے اپنے ساتھیوں کو مدد کے لیے پکارنے لگا۔ اس کے ساتھیوں نے جب اس کی آواز سنی تو فوراً مدد کو لپکے۔ انھوں نے دیکھا کہ اس کا ساتھی جھاڑیوں میں پھنسا مدد کے لیے چلا رہا ہے اور ایک اژدہا اس کی طرف لپک کر بس اسے نگلنا چاہ رہا۔انھوں نے ایک ساتھ مل کر اژدہے پر حملہ کر دیا اژدہا اس اچانک حملے کے لیے تیار نہیں تھا لہٰذا اس نے جان بچا کر بھاگنے میں ہی عافیت سمجھی۔مور کے ساتھیوں نے اسے جھاڑیوں سے باہر نکالا اسے تسلی دیتے ہوئے اپنے ساتھ لے گئے۔مور جب اپنے مسکن پر پہنچا تو اس کی جان میں جان آئی۔وہ سوچنے لگا کہ اگر اس کے ساتھی بروقت نہ پہنچتے تو آج وہ جان سے گیا تھا۔اسے اپنے خوبصورت پروں پر بڑا گھمنڈ تھا مگر انہیں کی وجہ سے وہ جھاڑیوں میں پھنسا تھا اور قریب تھا کہ وہ اژدہے کا نوالہ بن جاتا۔اس کے پیر جنھیں وہ اپنے جسم پر بدنما داغ سمجھتا تھا اور اکثر انھیں دیکھ کر اداس ہو جایا کرتا تھا انہیں نے اس کی جان بچانے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ بچو! یہ سچ ہے کہ قدرت کی ہر چیز قیمتی، افادیت سے پُر اور خوبصورت ہے۔ ہم چاہے اس کی قیمت اور اہمیت کا اندازہ نہ کر پائیں مگر قدرت کی ہر تخلیق افادیت اور حکمت سے پُر ہے۔

■

Dr. Abu Talib Ansari
187, Ghori Para, Bhiwandi
Thana - 421308 (Maharashtra)
Mob.: 9823755795

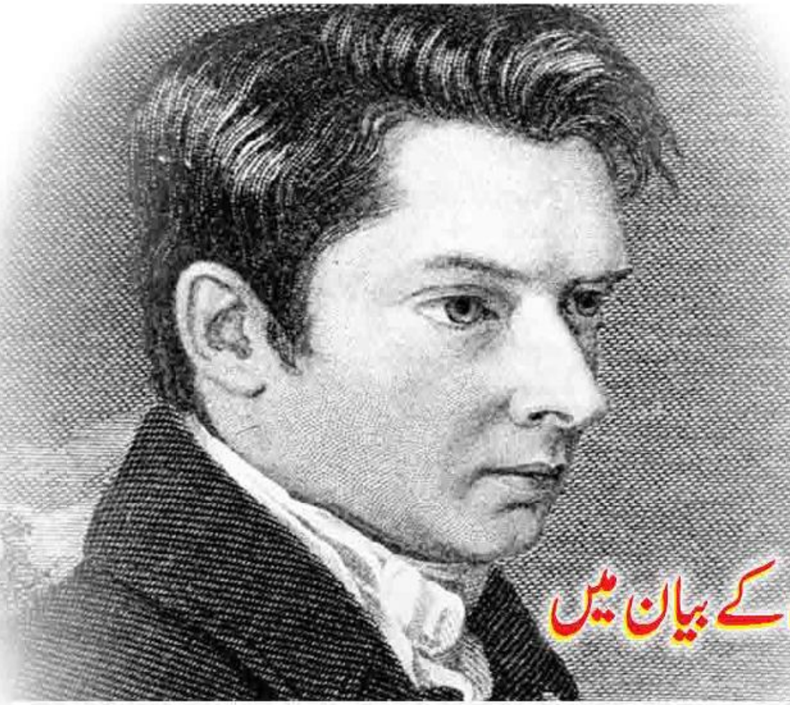

عظیم اقبال

طرزِ حیات کے بیان میں

ولیم ہزلٹ (1778-1830) انگریزوں کے نامور مضمون نگار(Essayist) ہیں۔ انھوں نے زیرِ نظر خط اپنے بیٹے کو آج سے دوسو سال قبل تحریر کیا تھا۔ اس میں ہمارے طالب علموں کے سوچنے کے لیے بہت سارے پرمغز مشورے ہیں۔ ہزلٹ کی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا اسکول کے زمانے کو بعد کی زندگی میں داخلے کی تیاری سمجھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کا فرزند ذہن کو کھلا رکھے، دوسروں سے میل جول کا انداز سیکھے اور اپنے اختلافات کو خوشگوار طریقے سے دور کرے۔

خط کا متن:

برخوردار! اب تم اسکول کی زندگی شروع کرنے جا رہے ہو، اسے دنیا میں اوّلین داخلہ سمجھو۔ چونکہ میری صحت خراب ہے، اور میں زیادہ عرصے تک تمھارے ہمراہ نہیں رہ سکتا۔ میری خواہش ہے کہ تمھیں کچھ مشورہ دوں (جس قدر بہتر طریقے سے تمھیں دے سکتا ہوں) جو زندگی میں تمھارے اطوار سے متعلق ہے، یہ تمھارے کام آئے گا اور اس سے تم مجھے یاد رکھ سکو گے۔ چاہتا ہوں، کچھ اور نہیں تو محض اپنی غلطیوں کے تئیں تمھیں خبردار کر سکوں۔

جب ہم سب تمھارے نئے ٹھکانے کی جانب گامزن تھے، تم بار بار کہہ رہے تھے کہ وہاں اسکول میں احمق لوگ ہیں، جن کے ساتھ نباہ نہیں ہوسکتا۔ یوں تم الزام تراشی کر رہے تھے۔ یہ ایک اچھا اور پرانا قاعدہ ہے کہ عمدہ ترین کی امید کی جائے۔ میرے عزیز، ہمیشہ یقین رکھو کہ سب کچھ ٹھیک ہوگا، اس وقت تک، جب تک کہ تم ان کا الٹ نہیں پا لیتے، اور تب بھی ان سے رنجیدہ ہونے کے بجائے، حتی الامکان نباہ کے لیے کوشاں رہو، اگر تم انھیں بدل نہیں سکتے! تم نے کہا تھا کہ تمھیں یقین ہے کہ اسکول، جہاں تم جا رہے ہو، پسند نہ کرو گے یہ غلط ہے۔ جب تک آزما نہیں لیتے ایسا تمھیں نہیں کہنا چاہیے تھا کہ اسکول کو پسند یا ناپسند کرو گے۔ تمھارا یہ کہنا کہ یہ تمھیں پسند نہیں آئے گا، اس سے تمھارے اس ارادے کا اظہار ہوتا ہے کہ تم اسے پسند نہ کرو گے۔ کبھی کچھ برا ہونے

کے بارے میں قیاس نہ کرو کیونکہ جیسا تم چاہتے ہو، ٹھیک ویسا ہی تو نہ ہوگا۔ سمجھو کہ بغض اور حسد سے چیزیں جتنی بری ہوں، اس سے زیادہ بری ہوتی ہیں۔

پہلے ایسا لگتا تھا کہ اپنے اسکول کے ساتھیوں کا کوئی خیال نہ کرو گے، یا پھر خود کو ان کے خلاف کرلو گے، کیونکہ وہ تمھارے لیے اجنبی ہوں گے۔ وہ تمھیں جس قدر کم جانتے ہیں تم بھی انھیں ویسے ہی جانتے ہو۔ لہٰذا یہ ایک سبب ہوسکتا تھا کہ وہ بھی تم سے الگ تھلگ رہیں، جو تمھارے لیے تکلیف دہ ہو! سیکھو کہ دوسروں کے خلاف کبھی کوئی تعصب نہ رکھو گے، کیونکہ تم ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے، یہ ایک غلط منطق ہے، اور اس سے آدھی دنیا دشمن بن جاتی ہے، ان کے متعلق برا مت سوچو، جب تک تمھارے لیے وہ برے نہ ہوں، پھر اگر ان میں کچھ نقص دیکھو تو اسے درگزر کرنے کی کوشش کرو۔ اس سے جلد ہی خفگی، ناراضگی اور شکایت کی بہ نسبت ان کی دشمنی بے اثر ہو جائے گی۔

میں سوچتا تھا کہ اپنے لباس سے کمتر پوشاک میں ملبوس، کچھ لڑکوں کی نکتہ چینی سے تم دستبردار ہوگئے ہوگے۔ کبھی کسی سے اس چیز کے لیے جو اس کے بس میں نہ ہو، متنفر نہ ہونا، بطور خاص اس کی مفلسی سے۔ میں چاہوں گا کہ جیسے تم نہیں ہو، تب بھی ویسے لگو، تاکہ دنیا کے بیہودہ رویے سے محفوظ رہ سکو، لیکن یہ نہیں چاہوں گا کہ تم ان پر نازاں ہو۔ مجھے امید ہے کہ تم نہ تو ٹھگے جاؤ گے، نہ ہی بے جا تعصّبات کے شکار ہوگے، اور یہ کہنے کے بجائے، کسی سے اس چیز کے لیے جس پر اس کا بس نہ ہو، کبھی نالاں مت ہونا، میں نے یہ کہا ہوتا— کسی سے ذرا بھی نفرت نہ کرو، کیونکہ نفرت کا مطلب ہے، دوسروں کی بدحالی سے خوش ہوا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم دوسروں کی کم نصیبی یا ناکامی پر شاداں ہو اور اپنی پیٹھ تھپتھپا رہے ہو۔

دوسروں میں کمتری کا احساس، اس بلا واسطہ کشش، جو خود سے محبت جیسی ہو، ایک تکلیف دہ احساس ہے، خوش کن نہیں۔

تمھیں شکایت ہے کہ لڑکے تمھاری ہنسی اڑاتے ہیں اور تمھاری پرواہ نہیں کرتے اور تمھارے ساتھ ویسا برتاؤ جو گھر پر ہوتا تھا، نہیں ہوتا—

میرے عزیز!

تمھیں اسکول بھیجنے کے خاص اسباب میں سے یہ ایک ہے کہ زندگی میں برابر پیش آنے والی دقتوں اور پریشانیوں کو تم برداشت کرسکو۔ ہمیشہ تو تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتے، لیکن دوسروں سے تم اس توجہ کی، جیسی میں دیتا ہوں، امید نہیں کرسکتے۔

تا حال تم ایک بگڑے ہوئے لڑکے رہے ہو، اور پہلے تم نے زیادہ من مانی کی ہے، گھر میں اور کھیل کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ، جن کے ہمراہ تم نے ہمیشہ خود کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن تم خوش مزاج اور خوش طبع ہو، اور اس سے تمھارا بھلا ہوگا۔ اب تم اپنے برابر کے یا بڑے یا طاقتور لڑکوں کے بیچ ہو، جو تمھاری بے جا خواہشات کی تکمیل نہیں کریں گے، اور تمھیں لگے گا کہ تمھارے ساتھ ناانصافی ہے، لیکن پہلا درس جو تمھیں سیکھنا ہے، وہ یہ ہے کہ دنیا میں تمھارے علاوہ بھی لوگ ہیں۔ اسکول، جہاں تم ہو، وہاں تمھارے علاوہ بہت سارے لڑکے ہیں۔ ان کے رجحانات دیگر ہوسکتے ہیں اور یہ ان کے لیے زیادہ اہم ہیں۔ اپنی باری آنے پر انھیں درگزر نہ کرنا جس قدر اپنی بچکانہ حرکات کا اظہار کرو گے اس قدر خود کو رسوا کرو گے اور اس قدر تمھاری ہنسی اڑائی جائے گی اور تمھاری پیش بندی ہوگی۔ مساوات ہی سچا اخلاق ہے، یا اصل دانش مندی ہے۔ ہمیشہ یاد رکھو کہ دوسروں کے بیچ تم ایک ہو، تم شاید ہی معاشرے میں اپنے مقام کو غلط سمجھو گے۔ اپنے والد کے گھر میں اپنی مرضی سے کارگزار رہتے تھے، دنیا میں ہر موڑ پر تمھیں

مسابقت والے لوگ ملیں گے۔ تم کسی بادشاہ کے فرزند کے بطور پیدا تو نہیں ہوئے کہ لاکھوں افراد کو تہہ و بالا کردو، یا اپنی مرضی ان پر چلاسکو۔ تمھیں صرف ان کی تقدیر کے ساتھ گزارہ کرنا ہوگا یا اپنے اختلافات خوشگواری سے درست کرنے ہوں گے۔ اسکول میں تمھیں ایسا ہی ملے گا اور میں امید کرتا ہوں کہ جلد ہی بنا کسی دشواری کے اپنے ماحول سے نباہ کرلوگے۔

تمھارے شفیق والد

ولیم ہزلٹ

(انگریزی سے ترجمہ)

مشکل الفاظ کے معنی:

* پرمغز: سمجھداری سے بھرا
* اطوار: برتاؤ
* گامزن: آگے بڑھنا
* قیاس: سوچ
* بغض: برا خیال
* تعصب: برا خیال
* منطق: خیال
* خفگی: ناراضگی
* ملبوس: پہنے ہوئے
* متنفر: نفرت کرنا
* اسباب: وجوہات
* نمایاں: آگے آگے
* رسوا: ذلیل
* مساوات: برابری
* کارگزار: کام کرنا
* مسابقت: مقابلہ
* خوش کن: خوشی دینے والا
* نقص: خرابی
* درگزر: دھیان نہ دینا
* دستبردار: چھوڑ دینا
* بیہودہ: خراب
* درس: سبق
* رجحانات: جھکاؤ
* پیش بندی: روکنا
* معاشرے: سماج
* تہہ و بالا: برباد
* شاداں: خوش

■

Azim Iqbal
Adabistan
Ganj-2
Bettiah- 845438 (Bihar)

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں 'بچوں کی دنیا' کا رکن سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر............................ بتاریخ..............................

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرتعاون سالانہ -/100 روپے 90092010045326 :A/C، IFSC: CNRB0019009

میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159, E-mail.:sales@ncpul.in

دستخط

چاند

چاند زمین کا اکلوتہ قدرتی تابع (Satellite) ہے اور ہم سے قریب ترین فلکی جسم بھی۔ زمین کے مقابلے میں چاند کا حجم اچھا خاصا (1/20 کے قریب) ہے، اس لیے زمین اور چاند کے نظام کو کبھی کبھی دہرا سیارہ بھی کہا گیا ہے۔ ذیل میں چاند پر اہم اعداد و شمار درج کیے جاتے ہیں:

		پیائش	زمین کے مقابلے میں
1	کمیت (Mass)	7.35x10^22	1/81
2	کثافت گھن (Density)	3.35 فی مکعب سینٹی میٹر	3/5
3	زمین سے اوسط فاصلہ	3,84,000	زمین کے قطر کا 30 گنا
4	کشش ثقل (Gravity) سطح پر	1.63 میٹر فی سکنڈ فی سکنڈ	1/6
5	قطر (Diameter) استوا پر	3476 کلومیٹر	1/4 سے کچھ زیادہ
6	سطح سے رفتار فرار	2.38 کلومیٹر فی سیکنڈ	1/4 سے کچھ زیادہ
7	سطح کی تپش (Surface Temperature)	سورج کے سامنے 130 درجہ اور سورج کی دوسری طرف منفی 170°	

چاند زمین کے گرد الپسی مدار میں گردش کرتا ہے، جو دائرہ سے 0.055 خارج المرکز (Eccentric) ہے اور جس کا میلان (Inclination) یعنی سورج کے گرد زمین کے مدار کے ساتھ زاویہ 5°9' ہے۔ زمین کے مقابلے میں چاند کی کمتر کثافت بتاتی ہے کہ چاند کے مرکزی حصے میں بھاری دھاتیں نہیں جیسے کہ زمین میں ہیں۔ میلان کا اثر یہ ہے کہ ہر چودھویں شب چاند گرہن اور ہر اماوس سورج گرہن نہیں ہوتا۔

جوار بھاٹا: چاند دنیا پر سمندر کے مد و جزر (جوار بھاٹا Tides) لاتا ہے اور خشکی کے حصوں پر بھی کھنچاؤ پیدا کرتا ہے جو کم زیادہ ہوتے رہتے ہیں۔ اس سے زمین کے گھماؤ (دن رات) کی میعاد فی ہزار سال 0.2 سیکنڈ بڑھ جاتی ہے۔ دوسری طرف اسی طرح کے اثرات زمین چاند پر ڈالتی ہے۔ اس لیے کہ اس کی سطح بھی اونچی نیچی اور ناہموار ہے۔ سب سے نمایاں اثر تو زمین اور چاند کی وہ 1:1 گمک ہے جس کی وجہ سے اپنے محور پر چاند کے گھماؤ اور زمین کے گرد

اس کی گردش کی میعادیں برابر ہوگئی ہیں اور ہم چاند کا ایک ہی رخ دیکھتے ہیں، مگر چاند کے گھماؤ کا محور اس کے مدار پر عمود سے 6 درجہ 41 منٹ جھکا ہے۔ اس وجہ سے ہم ہر ماہ چاند کا رخ شمال جنوب بھی اور مشرق مغرب بھی 6 درجہ سے کچھ زیادہ چھپتا اور سامنے آتا دیکھتے ہیں۔ اسے چاند کا ڈگمگانا (Libration) کہتے ہیں۔ زمین کے گھماؤ سے بھی رات بھر میں چاند کے نظر آنے والے رخ پر ایک درجے سے کچھ کم کا اثر پڑتا ہے۔ زمین سے اس طرح چاند کی کل سطح کا 59 فیصد ہمیں دکھائی دے جاتا ہے۔ دوسری طرف کا بقیہ حصہ پہلی مرتبہ روسی تلاش کار (Probe) لیونا (Luna) 3 نے 7 اکتوبر 1959 کو دیکھا۔

چاند کا مہینہ: زمین کے گرد چاند کی پوری گردش کی میعاد کئی طرح ناپی جاسکتی ہے اور اس میں ایک دوسرے سے فرق ہوتا ہے، لیکن یاد رکھنے کے قابل اتنا ضرور ہے کہ زمین اور چاند کے مشترک مرکز (Barycentre) کے گرد اس کی پوری گردش کی فلکی پیائش (Sidereal Period) ہمارے 27.322 اوسط شمسی دنوں کے برابر ہوتی ہے لیکن اس عرصے میں زمین سورج کے گرد اپنی گردش میں 27 درجے کے بقدر آگے بڑھ جاتی ہے اور سورج کے لحاظ سے چاند کو زمین کی پرانی پوزیشن تک پہنچنے میں 2.21 دن کے قریب اور لگ جاتے ہیں۔ اس لیے چاند کی گردش کی شمسی میعاد (Synodic Period of Lunar Revolution) جو ہمارا چاند کا مہینہ ہونا چاہیے تھا، 29.53 دن کا ہوتا ہے اور نیا چاند کبھی 29 دن پر نظر آجاتا ہے اور کبھی 30 دن پر۔

چاند گرہن: سورج اور چاند دونوں کا گرہن اس لیے پیش آتا ہے کہ سورج کے گرد زمین اور زمین کے گرد چاند صرف 5 درجہ 9 منٹ کے زاویے پر گردش کرتے ہیں۔ چودھویں شب کو چاند زمین سے سورج کی مخالف سمت ہوتا ہے اور اس کا وہ آدھا گولا جس پر سورج کی کرنیں پڑ رہی ہوتی ہیں، رات بھر دنیا سے دکھائی دیتا ہے لیکن جب چاند اپنے مدار پر زمین کے سایے میں سے گزرتا ہے تو چاند گرہن پڑ جاتا ہے۔ زمین کا مخروطی گہرا سایہ (Umbra) اس سے سورج کی دوسری طرف 14 لاکھ کلومیٹر تک جاتا ہے اور چاند کے محور کے فاصلے پر اس کا قطر نو ہزار کلومیٹر کے بقدر ہوتا ہے۔ اس لیے چاند کا 3476 کلومیٹر قطر کا گولا اس میں پوری طرح سما سکتا ہے اور اس سے پوری طرح گزرنے میں ایک گھنٹہ 40 منٹ کی مدت لگ سکتا ہے مگر ایسا بھی ہوتا ہے کہ چاند کا مدار اس گہرے سایے کے کنارے ہی سے گزرے اور کسی بھی لمحہ اس میں اس کا پورا گولا موجود نہ ہو۔ پہلی صورت میں پورا (Full) چاند گرہن واقع ہوتا ہے اور دوسری صورت میں ادھورا (Partial)۔ گہرے سائے کے چاروں طرف ہلکا سایہ (Penumbra) سولہ ہزار کلومیٹر قطر کے بقدر پھیلا ہوتا ہے۔ اس لیے سایوں کے بیچ سے گزرنے کی صورت میں چاند کو اپنی پوری روشنی بحال کرنے میں 6 گھنٹے تک لگ جاتے ہیں۔

چاند گرہن ہمیشہ چودھویں رات کو ہی پڑتا ہے۔ اس کا اوسط تواتر پوری دنیا کے لیے دوسال میں تین بار کا ہے۔ یونانی فلک بین متون (Astronomer Meton) نے پیدائش عیسیٰ سے تقریباً چار سو سال پہلے پتا لگا لیا تھا کہ ایک ہی طرح کا چاند گرہن اسی جگہ 18 سال 7 ماہ بعد پڑتا ہے۔ اس مدت کو اب متونی دور کہتے ہیں۔

■

ماخذ: جامع اردو انسائیکلو پیڈیا (7) سائنسی علوم (ریاضیات، طب، علاج حیوانیات، فلکیات): ادارہ، سنہ اشاعت: 2004، ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پیاری پیاری نظمیں

احتشام الحق

پیارے بچو! ہم سے ہر شخص کو نظمیں پڑھنا اور نظمیں سننا پسند ہیں۔ آج ہمیں جب کوئی نظمیں سنانے والا نہیں ہے تو ہم یوٹیوب پر نظمیں سناتے ہیں۔ چھوٹے بچے جب کھانا نہیں کھاتے ہیں تو ہم انھیں موبائل پر نظمیں لگا کر دے دیتے ہیں اور اس میں جھوم جھوم کر نظمیں گانے کا سلسلہ ایسا ہوتا ہے کہ اس میں بچے محو ہو جاتے اور ضد چھوڑ دیتے ہیں۔

ہم میں سے ہر شخص کو اس طرح کی کچھ نظمیں یاد بھی ہوں گی:

لکڑی کی کاٹھی، کاٹھی پہ گھوڑا، گھوڑے کی دم پہ جو مارا ہتھوڑا، دوڑا دوڑا دوڑا............

بندر ماما پہن پاجاما دعوت کھانے آیا
میں توتا میں توتا ہرے رنگ کا ہوں دکھتا

ایسی بہت سی نظمیں کتابوں میں بھی موجود ہیں جنھیں پڑھ کر ہم اپنا جی بہلا سکتے ہیں اور بڑے چاؤ سے گا کر اپنے چھوٹے بھائی بہنوں کو بہلا کر اپنی امی اور ابو کے کام کے وقت ان کی مدد کر سکتے ہیں۔ ایسی ہی نظموں پر مشتمل پروفیسر عبدالمنان طرزی کی کتاب 'پیاری پیاری نظمیں' ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں ایک نظم:

پیاری تتلی

پیاری تتلی، پیاری تتلی دن بھر ہے وہ چلتی رہتی
کام اڑانیں بھرنا اس کا شاخ، شجر ہے مسکن جس کا
تن ہے پنکھا، نازک مکھڑا کام سدا ہے چلتے رہنا

اب ایسی نظمیں پڑھیں تو ہمارے سامنے تتلیوں کا پھدک پھدک کا اڑنا، اِس جا اس جا بیٹھنا ہماری نظروں میں گھومنے لگتا

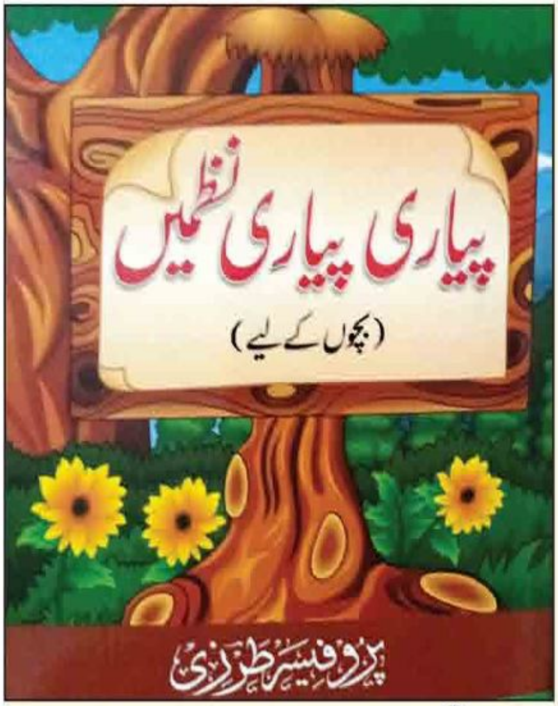

پیاری پیاری نظمیں، شاعر: عبدالمنان طرزی، صفحات: 48، قیمت: 50 روپے، سنہ اشاعت: 2021، ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

ہے اور ہم تصور میں تتلیوں کے پیچھے پیچھے چلنے لگتے ہیں۔

اسی طرح ذرا سوچیے کو چھٹیوں کے دن ہوں اور ہمارے شہر میں کہیں سرکس لگا ہو تو بھلا ہمارا جی کیسے نہ وہاں جانے کو کرے گا اور پھر ہم ممی پاپا سے سرکس جانے کی ضد کرنے لگتے ہیں اور وہاں پہنچ کر خوب مزے لیتے ہیں۔ پروفیسر طرزی کی کتاب میں سرکس پڑھیے اور اپنی پرانی یادیں تازہ کیجیے۔

سرکس اپنے شہر میں آیا خوشیوں کا پیغام لایا
اس میں تماشے ایسے ہوتے ہم کو حیرت میں جو رکھتے
موت کا جس میں ایک کنواں بھی اس میں نہیں ہے گرتا کوئی
رسّی پر چل کے دکھاتے پر نہیں گرتے چلنے والے

آپ نے دیکھا کہ کس طرح بڑی روانی اور آسانی کے ساتھ ہم نظم پڑھتے چلے جاتے ہیں۔ کہیں ہم کو مشکل الفاظ کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اس کتاب میں پروفیسر طرزی نے بچوں

کی عمر اور ذہنی استعداد کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔ اس کے لیے انھوں نے موضوعات بھی ایسے چنے ہیں جو ہماری روز مرہ کی زندگی سے متعلق ہیں اور ہمارے گھر اور ماحول کے آس پاس کے ہیں۔ جیسے قلم، ہماری ٹیچر، بچے بھارت کے، احسان رب کے، پبلک اسکول، سنڈے، ڈاکیہ، راشد میرا دوست، اپنا وطن، کوئل، اسکول، سبزی والا، پیاری تتلی، آم کا باغ، آندھی، مفلس، جامن، سویرا، سرکس، عیسوی سال کے مہینے، ہفتے کے دن، نانیہال اور گاؤں کا بازار وغیرہ۔ یہ سمجھیے کہ انھوں نے اڑتالیس صفحات میں بیالیس (24) نظمیں لکھی ہیں۔ یہ گرچہ بہت چھوٹی چھوٹی ہیں لیکن ان میں ہماری دلچسپی کا بڑا سامان بھی موجود ہے۔

پروفیسر طرزی نے کوشش کی ہے کہ بچے نظم پڑھتے ہوئے کھیل کھیل میں کچھ الفاظ بھی سیکھ جائیں اور کرداروں کے عمل کے ذریعہ اخلاقی اقدار کا پابند بنانے کی بھی کوشش کی۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ انھوں نے گھر کے آس پاس اور گھر میں استعمال ہونے والی چھوٹی چھوٹی چیزوں کو ہی نظم کا موضوع بنایا ہے۔ اس سے بچوں کا نظم سے لگاؤ گہرا ہوتا ہے ساتھ ہی ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کی ضرورت کے وقت گھر میں جو اہمیت ہوتی ہے، بچے اس سے بھی واقف ہوتے ہیں۔ نظم چھتری اس کی اچھی مثال ہے۔ انھوں نے 'اپنا وطن' میں تمام مذاہب کے لوگوں کے بزرگوں کا احترام کرنا سکھایا ہے اور بھائی چارہ اور اخوت کی تعلیم بھی دے دی ہے۔ ایسے بھی اردو زبان وادب کی یہ خوبی رہی ہے اس میں تمام مذاہب کے لوگوں کے ساتھ بھائی چارہ کا درس ہر جگہ ملتا ہے۔ اسی طرح کچھ نظموں میں دوستوں اور رشتہ داروں کو تحفے تحائف دینے کی بھی ترغیب موجود ہے۔

ہم میں سے ہر شخص کو روزانہ سبزی والوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ یہ بظاہر چھوٹا موٹا کام لگتا ہے لیکن محلے محلے اور گھر گھر جا کر سبزی پہچانا؛ جس سے ہمارا وقت بھی بچتا ہے اور پیسہ بھی اور ہم اچھی سبزیاں بھی حاصل کر لیتے ہیں؛ کام کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ اس طرح کئی نظموں میں کاموں کی اہمیت موجود ہے۔ کچھ نظموں میں وقت کی قدر کرنا اور وقت کو کام میں لانے کی طرف بھی بچوں کو ذہن جاتا ہے۔ ہمارے آس پاس کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو غربت کے سائے میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے ان کی نظموں میں ہمدردی کا درس موجود ہے۔ گویا تمام نظموں میں یہ کوشش کی گئی ہے بچوں میں اعلیٰ انسانی اقدار آئے اور تفریح کے ساتھ ساتھ ان کی ذہن سازی اور تربیت کا سامان بھی موجود ہو۔

آپ نے اوپر جانا کہ یہ کتاب پروفیسر عبدالمنان طرزی نے لکھی ہے۔ پروفیسر طرزی کا تعلق صوبہ بہار کے ضلع دربھنگہ سے ہے اور انتہائی بزرگ شاعر ہیں۔ ان کی شاعری کا اعتراف دنیا بھر میں کیا گیا ہے۔ خود ہمارے سابق صدر جمہوریہ ہند پرنب مکھرجی کے ہاتھوں ان کی فارسی شاعری کے اعتراف میں لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ بھی دیا گیا ہے۔ انھوں نے ساٹھ ہزار سے زائد اشعار کہے ہیں اور اسی (80) سال سے زائد عمر ہونے کے باوجود ان کا لکھنا پڑھنا جاری ہے اور اسی عمر میں ہی انھوں نے بلکہ رواں سال 2012 میں ایسی دو کتابیں انھوں نے بچوں کے لیے لکھی ہیں۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم ایسی کتابوں کا مطالعہ کریں اور اپنے بک بینک کا حصہ بنائیں۔

■

Ehteshamul Haque
Head Master (I/C)
Nayee Taleem Rajkiya Buniyadi Vidyalya
Majhaulia, Via: Laheraisarai
Darbhanga – 846002 (Bihar)
Mob.: 9234733379

زبان شناسی

مظلوم الفاظ

(×) غلط املا	(✓) صحیح املا
آذان	اذان
آسامی	اسامی
اسلام علیکم	السلام علیکم
الوالعزم	اولوالعزم
برائے کرم	براہِ کرم
بالمشافہ	بالمشافہہ
جائیداد	جائداد
چاق وچوبند	چاق چوبند
حامی بھرنا	ہامی بھرنا
درستگی	درستی
عیدالضحیٰ	عیدالاضحیٰ
سہولیت	سہولت
قمیض	قمیص
گرم مصالح	گرم مسالا
گذشتہ	گزشتہ
لاپرواہ، لاپرواہی	لاپروا، لاپروائی
نقطہ چینی	نکتہ چینی
نکتۂ نظر	نقطۂ نظر
مکتبۂ فکر	مکتبِ فکر
ناراضگی	ناراضی
ناواقفی	ناواقفیت

مماثل الفاظ

لفظ	معنی
اَبطال	بطل کی جمع بطلع بمعنی بہادر، سردار، ہیرو
اِبطال	باطل کرنا، جھوٹا کرنا
اَحکام	حکم کی جمع
اِحکام	مضبوط کرنا
اَحیا	حی کی جمع، زندہ لوگ، قبیلے، خانوادے
اِحیا	زندہ کرنا
اَشفاق	شفقت کی جگہ، لطف وعنایت
اِشفاق	حسن سلوک، مہربانی کا برتاؤ
اَشکال	شکل کی جمع
اِشکال	مشکل، دشواری
اَعراب	اعرابی کی جمع
اِعراب	حروف کی حرکات کی علامات (زبر، زیر، پیش وغیرہ)
اَعلام	(علم کی حرکات) جھنڈے، پھریرے، مشاہیر
اِعلام	اعلان، اطلاع، تعارف نامہ
اَقدام	قدم کی جمع
اِقدام	قدم اٹھانا
تارِک	چھوڑنے والا، ترک کرنے والا
طارِق	وہ ستارہ جو صبح کو نکلتا ہے، رات کا سفر
تابع	ماتحت، مطیع، فرمانبردار
طابع	چھاپنے والا، پرنٹر

■

ماخذ: اصلاح تلفظ و املا، مصنف: طالب الہاشمی، پہلی اشاعت: 2019، ناشر: القمر انٹرپرائزز، اردو بازار، لاہور

معلومات عامہ

س: شہنشاہ شاہجہاں کے کتنے بیٹے تھے؟

ج: چار بیٹے: داراشکوہ، شجاع، اورنگ زیب، مراد

س: خدا بخش لائبریری کہاں ہے اور کس نے قائم کی؟

ج: یہ لائبریری پٹنہ میں ہے۔ اس کے بانی خدا بخش خاں تھے مشرقی علوم کا یہ کتب خانہ پوری دنیا میں مشہور ہے۔

س: تاج محل کس کی یاد میں بنایا گیا؟

ج: شاہجہاں نے اپنی بیگم ممتاز محل کی یاد میں اسے تعمیر کر تھا۔ اس کا شمار دنیا کی حسین ترین عمارتوں میں ہوتا ہے

س: سبھاش چندر بوس نے کون سی فوج تیار کی تھی؟

ج: آزاد ہند فوج۔ یہ اکتوبر 1943 میں تیار کی گئی تھی۔

س: ایسٹ انڈیا کمپنی برطانوی کا قیام کب ہوا؟

ج: ہندوستان اور مشرق کے دوسرے ملکوں کے ساتھ تجا کے لیے 1600 میں قائم کی گئی تھی۔

س: امریکہ کو کس نے دریافت کیا تھا؟

ج: کرسٹوفر کولمبس نے۔ یہ اٹلی میں پیدا ہوا تھا اور یہ پا بانی کا کام کرتا تھا۔

س: بیت الحکمت کہاں ہے اور کس کے لیے مشہور ہے؟

ج: بغداد میں ہے۔ یہ تالیف اور ترجمے کے ایک بڑے کے طور پر مشہور تھا۔ یہاں یونانی، فارسی، سنسکرت دوسری زبانوں کے علما و ماہرین مختلف زبانوں کے تر عربی زبان میں کرتے تھے۔

س: بیگم حضرت محل کون تھیں اور ان کا اصلی نام کیا تھا؟

ج: بیگم حضرت محل آخری تاجدار اودھ واجد علی شاہ کی بیگم تھیں اور انھوں نے انگریزوں کے خلاف بہادری کے جوہر دکھائے۔ ان کا اصلی نام افتخار النساء تھا اور ان کا انتقال نیپال میں ہوا۔

س: 'کتاب الہند' کس کی تصنیف ہے؟

ج: ابوریحان البیرونی کی۔

س: اردو کی پہلی مثنوی کا نام بتائیے؟

ج: کدم راو پدم راو

س: شاعر مشرق کس کو کہا جاتا ہے؟

ج: علامہ اقبال کو

س: وہ کون سا ملک ہے جہاں کوئی دریا نہیں ہے؟

ج: کویت

س: مور کی مرغوب غذا کون سی ہے؟

ج: سانپ

س: شہد کی مکھی کی کتنی آنکھیں ہوتی ہیں؟

ج: آٹھ

س: 2020 یورو کپ فٹبال کا چیمپئن کون ہے؟

ج: اٹلی

س: 2020 کوپا امریکہ کا خطاب کس کے نام رہا؟

ج: ارجنٹائنا کے نام

س: ورلڈٹسٹ کرکٹ چیمپئن شپ کا فاتح کون سا ملک ہے؟

ج: نیوزی لینڈ

محمد عثمان خاں

کالی کھانسی

صحت ہی زندگی ہے، یہ مہاتما گاندھی نے کہا تھا۔ کچھ اسی طرح کی بات اردو کے ایک شاعر نے بھی کہی ہے:

تنگ دستی اگر نہ ہو سالک   تندرستی ہزار نعمت ہے

صحت اور تندرستی زندگی کے لیے بہت لازمی ہیں۔ ذہنی صحت کے لیے جسمانی صحت کی ضرورت پڑتی ہے اسی لیے اگر شروع سے ہی صحت اور تندرستی کے تعلق سے لاپرواہی کے بجائے بیداری کا رویہ اختیار کیا جائے تو انسان بہت ساری بیماریوں سے بچ سکتا ہے۔ ہمارے عہد میں بچوں کی صحت ایک بڑا مسئلہ ہے، اس پر سنجیدگی سے توجہ دیے جانے کی ضرورت ہے۔ بچوں کی صحت کے تعلق سے 'بچوں کی دنیا' میں یہ کالم اس لیے شروع کیا گیا ہے تاکہ والدین کے ساتھ ساتھ بچے خود بھی اپنی صحت اور تندرستی کا خیال رکھ سکیں۔

کالی کھانسی بچوں کا ایک نہایت متعدی اور خطرناک مرض ہے۔ ناواقفیت کی وجہ سے بعض والدین اسے ایک غیر معمولی چیز سمجھ کر ضروری احتیاط سے غافل رہتے ہیں۔ درحقیقت زمانہ شیر خواری میں بچے کے لیے دو مہلک امراض خسرہ اور کالی کھانسی کا بہت خطرہ رہتا ہے، لہٰذا ان کی چھوت سے بچے کو حتی الامکان بچانا چاہیے۔ اگر کالی کھانسی کے مریض بچے کی چھوت کسی تندرست بچے کو لگ جائے تو اسے فوراً کالی کھانسی کا تحفظی ٹیکا لگا دینا چاہیے تاکہ خدانہ خواستہ اگر اسے کالی کھانسی ہو جائے تو اس کی شدت زیادہ نہ ہونے پائے اور بچہ اس مرض کی مختلف پیچیدگیوں سے محفوظ رہے۔ بعض اوقات موسم سرما اور فصلِ بہار میں کالی کھانسی کی ایسی وبا پھوٹ پڑتی ہے کہ سارے گھر مدرسہ اور محلّہ بھر کے بچے اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

یہ مرض زیادہ تر پہلے سال کی عمر میں ہوتا ہے۔ پانچ سال کی عمر تک زیادہ پایا جاتا ہے مگر دس سال کی عمر کے بعد نسبتاً کم عام ہوتا ہے۔ خسرہ اور کالی کھانسی میں ایک طرح کا باہمی تعلق معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک بچے میں جیسے ان میں سے ایک مرض کی شکایت ہوئی ہو، دیر سویر اکثر دوسرا مرض بھی نمودار ہو جاتا ہے۔ کسا حتی بچوں میں بھی کالی کھانسی خاص طور

پر عام ہوتی ہے اور اکثر اس کے بعد سلّ و دق (تدرّن) کا مرض لاحق ہوجاتا ہے۔

پہلا درجہ: نزلہ وزکام: کالی کھانسی کی ابتدا معمولی سردی، نزلہ وزکام: حرارت اور خفیف سی کھانسی کے ساتھ ہوتی ہے۔ حلق میں بھی کسی قدر خراش ہوتی ہے۔ یہ ابتدائی درجہ عموماً دو تین ہفتے تک جاری رہتا ہے۔

دوسرا درجہ: مسلسل کھانسی کے دورے: دوسرے درجے میں کھانسی دوروں کی نمایاں شکل اختیار کرلیتی ہے۔ ہر دورہ مسلسل مختصر کھانسی کے ساتھ شروع ہوتا ہے، کچھ دیر تک بچہ کھانستا رہتا ہے اور بالآخر ایک لمبی آواز دار سانس اندر لے کر قے کردیتا ہے جس کے ساتھ گاڑھا لیس دار بلغم خارج ہوتا ہے۔ دورہ شروع ہوتے ہی بچہ والدین یا آس پاس والوں کو پکڑ لیتا ہے، یا کسی قریب کی چیز (کرسی وغیرہ) کو تھام کر سہارا لیتا ہے۔ اس کا چہرہ سرخ ہوکر پھولا ہوا معلوم ہونے لگتا ہے اور بالآخر کھانسی کا سلسلہ اس وقت ختم ہوتا ہے جب کہ چکنا گاڑھا بلغم نکل کر خارج ہوجائے۔ دن رات میں ایسے کئی دورے ہوتے ہیں۔ کبھی دوروں کی شدت سے بچے کی نکسیر پھوٹ جاتی ہے۔ کبھی پیشاب خطا ہوجاتا ہے اور شاذ صورتوں میں آنکھوں کی جھلی (ملتحمہ) کے نیچے باریک رگوں کے جال کا خون نکل کر جم جاتا ہے۔ عموماً رات کو کھانسی زیادہ شدید اور تکلیف دہ ہوتی ہے— یہ درجہ ایک ماہ یا اس سے بہت زائد عرصے تک قائم رہتا ہے۔

آخری درجہ: دوروں میں تخفیف: بتدریج دورے ہلکے اور کم ہونے لگتے ہیں، گو کھانسی عرصۂ دراز تک جاری رہ سکتی ہے۔ اگر کھانسی زیادہ طویل المدت ہو تو سل و دق کی پیچیدگی کا شبہ ہوسکتا ہے۔ چھوٹے بچوں میں دورانِ مرض میں اکثر ورمِ شش (ڈبہ) بھی پیدا ہوسکتا ہے، اور یہ ایک خطرناک اور مہلک چیز ہے۔ کبھی کبھی عام تشنج کے دورے بھی ہونے لگتے ہیں۔

علاج: کالی کھانسی ایک خطرناک مرض ہے جو مہلک ہوسکتا ہے۔ مریض کو علاحدہ کمرے میں رکھنا ضروری ہے تاکہ دوسرے بچے چھوت سے محفوظ رہیں۔ دراصل مریض کے لیے دو ہوادار کمرے مخصوص کرلینا چاہیے۔ جب مریض ایک کمرے میں ہو تو دوسرے کمرے کو کھلا رکھ کر اس میں بہ کثرت صاف ہوا آنے دینا چاہیے۔ صحیح تشخیص اور مناسب علاج مرض کے لیے نیز دورانِ مرض میں پیچیدگیوں کے سدِ باب کے لیے ماہر طبیب کا مشورہ اور نگرانی ضروری ہے۔ غذا ہلکی اور زود ہضم دینی چاہیے جو اس نوعیت کی ہو کہ حلق میں چھیڑ اور خراش پیدا نہ کرے۔ قبض دور کرنا چاہیے اور روزانہ اجابت کا ہونا ضروری ہے۔ بچے کو سکون و آرام سے رکھنا چاہیے۔ ہیجان ضد اور غصے سے دورے زیادہ ہونے لگتے ہیں۔

■

ماخذ: بچے کی صحت اور نگہداشت از ڈاکٹر محمد عثمان خاں صاحب، ایم بی، طبع اوّل: 1944، ناشر: انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی

ماہین، درجہ ہشتم، سرودیہ کنیا ودیالیہ، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی

شِفنا ایم سی، درجہ ہفتم، ملاپورم، کیرلہ

عالیہ درجہ ششم، رانے بنور، کرناٹک

عفان احمد عثمانی، درجہ پنجم (C)، سن رائز پبلک اسکول، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی

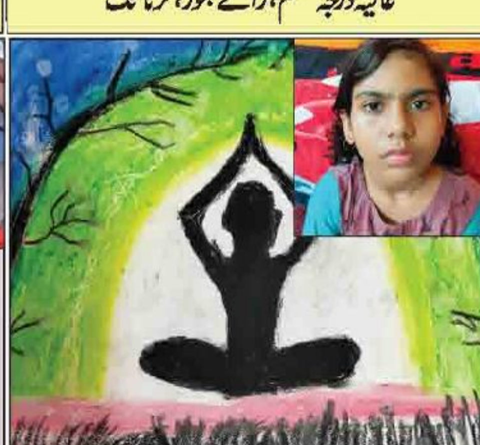

تحریم سحر بنت طیب نعمانی، درجہ پنجم، ٹیکنو انڈیا گروپ پبلک اسکول، کولکاتا

نایاب قمر، درجہ اوّل، سینٹ میری، ریجی جیوس اسکول، بتیا (مغربی چمپارن)، بہار

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا

دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

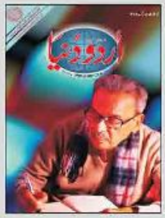
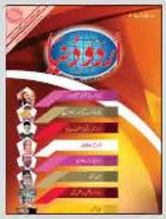

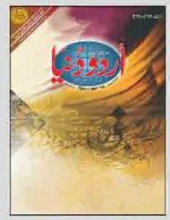

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

بنام NCPUL اکاؤنٹ نمبر: A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009 میں جمع کریں۔

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

شاخ: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدر آباد-500002 فون: 040 - 24415194

बच्चों की दुनिया मासिक, सितंबर 2021, वर्ष 9, अंक 9
BACHON KI DUNIYA Monthly, September 2021 Vol. 09, Issue: 09
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2019-21
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/08/2021
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

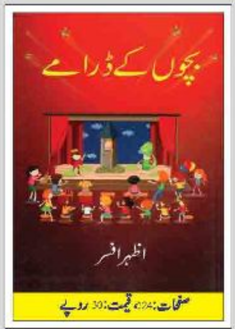

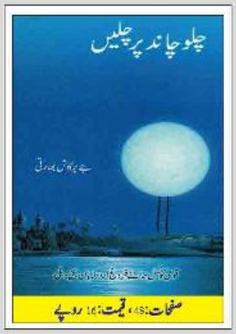

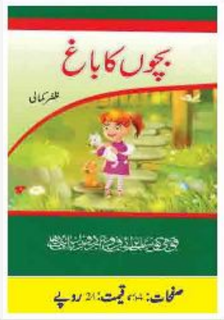

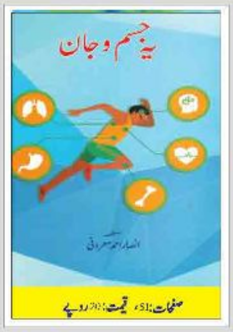

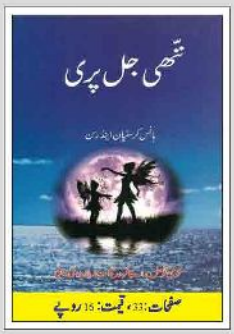

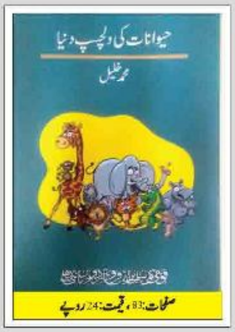

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون:011-26109746، فیکس:011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language,
and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.
LPC DELHI,DELHI PSO,DELHI RMS,DELHI-6